

۵۰

ماہنامہ دیوبند

حاجی

تاریکیوں میں ایک چراغ

ایڈیٹر۔ عامر عثمانی دہلی دیوبند

سالانہ آٹھ روپے



دیوبند ایڈیٹرز
ARUL

مفید کتابیں

تفسیر حل القرآن ایک عام فہم اور سلیس تفسیر جو مسلمانوں کی ضروریات کے لحاظ سے مفید اور کارآمد ہے۔

چند اہم خصوصیات

- (۱) حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے شروع سے آئینک حرفاً حرفاً ملاحظہ فرمایا ہے (۲) تفسیر کے ان جوشی سے جو کہ مولانا تھانوی نے تحریر فرمائے ہیں اس کی افادیت میں اضافہ ہو گیا ہے (۳) مولانا تھانوی نے اس تفسیر کی انفرادی و امتیازی خصوصیات پر مشتمل ایک تقریظ بھی تحریر فرمائی ہے۔
- ہدیہ سانی پارہ ڈیڑھ روپیہ۔ مکمل سیٹ ۳۰ روپے۔

از مولانا

تاریخ اسلام مکمل چار حصوں میں مشتمل ہے۔ چاہہ زہم کی نمود سے وصال نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تک کے تمام حالات و احوال و شہادتیں سلیس اور شیریں انداز میں۔

یہ ایڈیشن مؤلف کی نظر ثانی اور نئی ترتیب کے مطابق ہے جس میں متعدد مضامین کے اضافوں کے علاوہ مکتوبات نبوی جوشاہان وقت کے ناکھ گئے نئے مواد و تجربہ موجود ہیں۔ ٹائٹل نوشتا جس میں نام مبارک کا عکس بھی شامل ہے۔ جلد چھ روپے (مجلد ساڑھے سات روپے)

از مولانا محمد نعیم صاحب
کمالین مترجم و شرح اردو جلالین اساتذہ تفسیر دارالعلوم دیوبند

بیشہ بہترین تفسیر ضخیم تفسیروں کا خلاصہ و عطر ہے۔ خصوصاً:- (۱) اصل عربی متن مع اعراب (۲) متن کے نیچے عام فہم اردو ترجمہ (۳) ترجمے کے بعد متعدد تفاسیر مثلاً تفسیر کبیر، کشاف، روح البیان ابن کثیر، تفسیر مظہری، بیان القرآن وغیرہ کے منتخبہ مضامین (۴) علما و ائمہ سے متعلق دور حاضر کی تحقیق (علمی لطائف اور قرآنی نکات) (۵) شانہ نزل و ربط آیات بلاغت اور اسلوب قرآن پر پینچ تبصروں (۶) صحیح عقائد و مسائل کی ترجمانی فی الاثر ۱۳۱۱ کے مکمل ہیں۔ پلاؤن دو روپے چھ روپے۔ اپنی ہر پڑھائی سے

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند مکمل متبوع

دارالعلوم کے صد سالہ دور کا شاہکار ڈھائی ہزار سے زائد ایسے سائبل جو عموماً مفصل اور عبارات فقہیہ کے ساتھ مدلل ہیں۔ زندگی کے ہر شعبہ کی ضروریات سے متعلق مسائل کا یہ ذخیرہ اس قابل ہے کہ تمام مدرسوں خانقاہوں و لائبریریوں اور ہر مسلم گھرانے میں برائے مطالعہ رکھا جاوے۔ ٹائٹل نوشتا دیدہ زیب جس میں لافانی دارالعلوم کا فوٹو بھی شامل ہے۔

قیمت مکمل سیٹ چار جلدوں میں اکیس روپے (مجلد چوبیس روپے)

اشرفیہ ہشتی زیور مکمل مدلل معنی

ہر طرح کا مسئلہ اس میں بالکل عام فہم، عورتیں اور بچیاں تک فائدہ اٹھا سکتی ہیں۔ دو جلدوں میں مکمل۔ بارہ روپے (مجلد پندرہ روپے)

قصص الاولیاء

یعنی نزہۃ البسائین اردو، ترجمہ ممتاز عربی جس میں اولیاء اللہ علماء و صلحاء اور لوگان میں کی تیرہ سو سے زائد حکایات و کرامات درج ہیں۔ پانچ حصوں میں۔

فی حصہ دو روپے

غیبت کیا ہے؟

مولانا عبدالحی لکھنوی کی اہم کتاب ہے جس سے تعبیر کیا ہے وہ کیا ہے۔ اس کی کئی شاخیں اور قسمیں ہیں۔ اس سے متعلق فقہی احکام کیا ہیں۔ ایسے تمام سوالوں کے جواب قرآن و حدیث اور اقوال سلف کی روشنی میں۔ تین روپے پچاس پیسے۔

براہین قاطعہ

بدعات کے رد میں ایک شہرہ آفاق کتاب۔ ہر طرح کی مروجہ بدعتوں کے حق میں جلالی اہل بدعت دیتے رہتے ہیں ان کا جواب رد اور صحیح عقائد کا بیان پانچ روپے

مکتبہ تحلی۔ دیوبند (یو۔ پی)

ہر انگریزی جہینے کے پہلے ہفتے میں شائع ہوتا ہے

سالانہ قیمت آٹھ روپے۔ فی پرچہ شتر پیسے

غیر مالک سے سالانہ قیمت ایک پاؤنڈ یہ شکل پوسٹل آرڈر
پوسٹل آرڈر پر کچھ نہ لکھئے بالکل سادہ لکھئے

شمارہ نمبر
جلد نمبر ۱۸



فہرست مضامین مطابق ماہ مئی ۱۹۶۶ء

۴	عامر عثمانی	آغا زرخن
۹	والدہ انجم بہار	خدا پرستی اور شجر پرستی کے عقیدوں کا امتحان
۱۱	عامر عثمانی	تجلی کی ڈاک
۳۲	شمس نوید عثمانی	کیا ہم مسلمان ہیں؟
۳۶	مولانا عبد الرؤف رحمانی	جبل سلام کا فرما تھا
۴۳	ملا ابن العربی مکی	مسجد سے میخانے تک
۵۵	مولانا محمد طاسین	وطن دوستی اور اسلام
۶۰	جیل بہاری	آج۔ اور۔ کل
۶۵	حسام الدین	غلط فہمی کا ازالہ
۶۷	مولانا مفتی محمد شفیع	ذبح کا مسنون طریقہ

اشد ضروری

اگر اس دائرے میں سُرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس پرچہ پر آپ کی خریداری ختم ہے یا تو منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا اپنی کی اجازت دیں۔ آئندہ خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ وہی پی سے بھیجا جائے گا جسے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فریضہ ہوگا۔ وہی پی آٹھ روپے شتر پیسے کا ہوگا، منی آرڈر بھیج کر آپ وہی پی خرچ سے بچ جائیں گے۔

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ

دفتر تجلی۔ دیوبند۔ ضلع سہارنپور (دیوبند)

پاکستان کا پتہ: مکتبہ عثمانیہ ۲۲۸۰ مین بازار
پیر الہی بخش کالونی۔ کراچی (پاکستان)

پاکستانی حضرات:- اپنا سالانہ چندہ اوپر
دائے پتہ پر بھیج کر رسید منی آرڈر ہمیں بھیجیں۔ یہاں سے
رسالہ جاری کر دیا جائیگا۔



عامر عثمانی پرنٹر پبلشر نے "نیشنل پبلسنگ پریس
دیوبند" سے چھپوا کر اپنے دفتر تجلی دیوبند سے
شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آغا سخن

ہوسکتا ہو اسے اگر ”جمیۃ علماء“ کے نام سے ملقب کیا جاتا ہے تو
”نہام نہاد“ کے سوا کون سے الفاظ اس کے لئے موزوں رہیں گے؟

تو اجلاس ہو اور بقول شخصے ”آن بان سے ہوا۔ اجلاس
کی رونق و مسائل و ذرائع کے کن سرچشموں سے بہہ کر آئی اس سے
ہیں بحث نہیں۔ اس سے بھی بحث نہیں کہ اجلاس کی کامیابی
کا پرہیزگتہ کر نے میں ار باپ جبہ و دستار نے جھوٹ اور صحت
تقصیف سے کس وافر مفر۔ ار میں کام لیا۔ مان لیتے ہیں کہ اجتماع
خوب ہی شاندار رہا۔ خوب ہی واہ واہ ہوئی۔ خوب ہی مال
اڑے۔ خوب ہی تقریریں ہوئیں۔

مگر سوال یہ ہے کہ اس کامیاب اجلاس میں اور نوچندی
کے ایک کامیاب مشاعرے میں آخر کیا فرق ہے؟ — موضوع
جد اجد اسی — لہجے الگ الگ — مگر عملی افادیت پر کچھ
ارشاد ہو؟

نخرا لحدین (۹) کے خطبے پر داد ہم بھی دیں گے۔ مگر ان
اندھوں اور بے عقلوں کی طرح نہیں جنھیں رطب و یابس کی تمیز
نہیں۔ جسے دیکھو ایک ہی لے میں واہ واہ کے ڈونگٹے برسا
رہا ہے۔ لیجئے ہماری طرف سے بھی دس مرتبہ سبحان اللہ اور جواب
نہیں ہے۔ ”کے تحفے قبول فرمائیے۔ مگر اہل نظر خطبے کے اُس
حصے کو بھی زور و نگاہی کی ترازو میں تولی کر دیکھیں جس میں فخر
الحدین (۹) نے اکبر بادشاہ کی متحدہ قومیت اور جذبہ باقی
ہم آہستگی کو روح کے سیاق میں پیش فرمایا ہے۔

آج کا خوبصورت ترین نعرہ متحدہ قومیت اور جذبہ باقی
ہم آہستگی ہی تو ہے اور جمیۃ علماء جن نخروا بہاج کے ساتھ اس

تم نے اس شخص کو دیکھا جو ریت پر ایک کھوکھلا ستون کھڑا
کر کے اس کے بالائی سرے پر بہت بڑے قلعے کی تعمیر کا منصوبہ بنا
رہا ہے۔

تم نے اُس شخص کو دیکھا جو دق کے ایک نجیف و زار مرض
کے گلنے ہوئے جسم کو صحت مند جسموں کی سطح پر لانے کے لئے روئی
اور زبر کے لباس تیار کرنے کی فکر میں ہے تاکہ انھیں پہنا کر وہ
اسے جو انوں کے ہمراہ دوڑا سکے۔

تم نے اُس شخص کو دیکھا جو اپنی بھینس کے لئے بہت موٹی
رشی بٹ رہا تھا تاکہ اسے کھونٹے سے باندھ سکے مگر جس کھونٹے سے
وہ اسے باندھنا چاہتا تھا وہ نرم اور پھسپھی زمین میں گڑے ہوئے
ایک معمولی سرکنٹے کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ اس سے کہا گیا کہ عقل
کے دشمن اِرسی کی مضبوطی کس کام آئے گی جب کھونٹے ہی میں
کوئی جان نہیں۔ وہ غینظ میں آکر بولا کہ رشی بٹنے کے فن
میں مجھ سے بڑھ کر کوئی بھی نہیں۔ میں کیا اس کے رشیوں کو فولاد
میں تبدیل کر سکتا ہوں۔

کہنے والے نے عرض کیا کہ گفتگو رسی کے بارے میں نہیں
کھونٹے کے بارے میں ہے۔ جو اب ملا کہ بکو اس بن کرو۔ میرے
آباد اجد ادرشی بٹنے کے فن میں طاق تھے۔ کھونٹے پر گفتگو کرنے
والے احمق اور فتنہ پرور اندہ ہیں۔

ابھی گیا میں جمیۃ علماء کا اجلاس ہوا ہے۔ نام نہاد
جمیۃ علماء یہ — خدا کو حاضر و ناظر جان کر بتائیے جس عمت
میں فقط چوٹی خرچ کر کے ہر جاہل اور کدہ ناتراش داخل

حفظ الرحمن اور مولانا مدنی جیسے اکابر کی تحت اطوار محدود متحدہ قومیت نہیں بلکہ وہ ناپاک، اسلام دشمن اور احمقانہ متحدہ قومیت ہے جس کی بنیاد بقول فخر المحدثین (۹) اکبر بادشاہ نے رکھی تھی۔

مگر آج ہم فخر المحدثین (۹) کے خطبہ پر بحث کرنے نہیں بیٹھے ورنہ یہی ایک شو شہ نہیں بلکہ کئی اور اجزا بھی اس خطبے کے ایسے ہیں جنہیں اگر الفاظ کی نظرفریت کی بجائی اتار کر نظروں میں لایا جائے تو منظر کچھ اور ہی ہوگا۔ مان لیجئے کہ خطبے کا لفظ لفظ کو فر تو نسیم میں ڈوب کر نکلا ہے اور مان لیجئے کہ خطبوں کی تاریخ میں اس خطبہ عالی نے ایک نئی انجیل کا اضافہ کیا ہے۔

لیکن غور طلب یہ ہے کہ اس خطبے اور اس "کامیاب" اجتماع کا عملی فائدہ کیا نکلا یا کیا نکلنے کی امید ہے؟ ہم نے تیشیل مشاعرے کی پیش کش کی ہے۔ یہ بھی ہم سے چوک ہوئی۔ مشاعرے سے کم سے کم یہ فائدہ تو ضرور ہوتا ہے کہ زبان کی مقبولیت بڑھتی ہے اور یہ نقصان نہیں ہوتا کہ نفرت و افتراق کی خلیجیں وسیع ہو جائیں۔ مگر اجلاس کیانے تو اتحاد بین المسلمین کی راہ میں مزید دیواریں کھڑی کرنے کا کارنامہ انجام دیا ہے اور باہمی جدال و تفرق کی آگ کو خوب ہوا دی ہے۔ اس رپورٹ کے چند فقرے ملاحظہ فرمائیے جسے جمعیت علماء کی اہم خدمات کے عنوان سے بازگیران جمعیت نے ترتیب دیا ہے۔

"بالآخر جس امر کا خطبہ مجلس عاملہ جمعیت کی مجلس عاملہ نے محسوس کیا تھا وہ سامنے آنے لگا اور ڈاکٹر سید محمود صاحب اپنی پیرانہ سالی اور بعض دیگر وجوہ سے جماعت اسلامی اور مسلم لیگ کے اتحاد کے گھیرے میں آگئے جس کے نتیجے میں مجلس مشاورت کو ایک مستقل مسلم تنظیم بنانے یا الفاظ دیگر دوسری سہولت بنانے کے لئے ایک مستقل دستور بنا لیا گیا۔ آزادی وطن سے پہلے اور آزادی وطن کے بعد یعنی فتنوں

نعرے کو پھیپھڑوں کی پوری قوت کے ساتھ دہرائی رہتی ہے وہ بھی کوئی راز نہیں۔ جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے ہماری حکومت بھی بلکہ جن سگھ اور ہندو ہاسبا بھی ان الفاظ کی مالا جینے میں کسی سے پیچھے نہیں۔ لیکن جب سوال مفہوم و مصداق کا آجائے تو ظاہر ہے کہ کوئی مسلمان مسلمان رہتے ہوئے متحدہ قومیت اور جذباتی ہم آہنگی کا وہ تصور قبول نہیں کر سکتا جسے شرمی چھا گلہ یا شرمی گوا کر جیسے حضرت طاقت کے زور سے قبول کرانا چاہتے ہیں۔

ہمیں یقین ہے کہ جب مولانا حافظ الرحمن یا مولانا مدنی یا جمعیت علماء کا کوئی اور بزرگ متحدہ قومیت کی حمایت کرنا تھا تو اس کے ذہن میں اس اصطلاح کا مصداق و منشا وہ ہرگز نہیں ہوتا تھا جس کی نہ صرف جھلکیاں بلکہ نقطہ عروج اکبر بادشاہ کے ملعون اسوے میں ملتا ہے۔ مگر حب فخر المحدثین (۹) بیخود نہیں لگیں کہ:-

"الضاد پسند مورخین اقرار کرتے ہیں کہ ہندوستان میں اکبر بادشاہ قومیت متحدہ یا جذباتی ہم آہنگی کا پہلا بانی تھا۔۔۔۔"

تو غبی ارادت مندوں اور بے بصیرت کفش برداروں کے سوا ہر ہوشمند اس کے سوا آخر کیا سمجھے گا کہ اب جمعیت علماء بھی متحدہ قومیت اور جذباتی ہم آہنگی کو ٹھیک اسی مصداق مفہوم میں پسند کرنے لگی ہے جس میں چھا گلہ اور گوا کر پسند فرماتے ہیں۔

اکبر نے کیا کیا تھا۔۔۔ یہ ملاقا قدر بد ایونی سے پوچھئے وہ دل کو نہ بھائی تو کوئی اور تاریخ دیکھ لیجئے۔ اکبر کی متحدہ قومیت کا خلاصہ یہ تھا کہ ہر مذہب کی ہر بات کو قبول کر لو مگر اسلام کی کسی بات کو ایڑیوں میں رگڑے بغیر مت چھوڑو۔ یہاں ہم تاریخ دہرائے بیٹھیں گے تو بات لمبی ہو جائے گی۔ کوئی دور کی بات ہوتی تو طوالت بھی گوارا کر ہی لیتے مگر اکبر کا اسوہ تو عام طور پر جانا پہچانا ہے۔ اب کوئی جمعیتی بقراط تو جہد فرمائیں کہ فخر المحدثین (۹) کے رسم فرمودہ الفاظ اس مفہوم کے سوا آخر کیا مفہوم دیتے ہیں کہ جمعیت علماء جس متحدہ قومیت کے راگ گارہی ہے وہ مولانا

تعمی کے حوالے کر دیتے جائیں گے۔

شیخ عبداللہ کنجر جمہور کی یاد اش میں مستقل زندگی بنائے گئے ہیں یہ راز آج تک نہیں کھلا۔ جرم ثابت کئے بغیر کسی کو سزا دینا ازل سے آج تک ظلم ہی کہلاتا آیا ہے اور خود ہمارے بنیادی دستور میں یہ تصریح موجود ہے کہ معقول اور منصفانہ وجود کے بغیر کسی شہری کی آزادی سلب نہیں کی جاسکتی۔ تقریباً دس سالوں تک ارباب اقتدار "سازش کشمیر" نامی ڈرامہ اسٹیج کرتے رہے لیکن شیخ عبداللہ کی فسر و عمل میں کوئی ایسا جرم درج نہ ہو سکا جو ان کے لئے ساہا سال کی نہیں فقط ایک دن کی اسیری کا بھی جواز ہیبت کر سکے۔ پھر کیسے کسی زندہ ضمیر سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ شیخ کی لامحدود اسیری پر جھنم محسوس نہیں کرے گا اور اس ظلم کے خلاف اس میں احتجاج کی تڑپ پیدا نہ ہوگی ہماری جامعیت کی مقدرت یہ تو نہیں کہ زور و قوت سے اس ظلم کو دفع کر سکیں مگر اتنی مقدرت تو ہے کہ زبانی اور قلبی احتجاج جاری رکھ سکیں۔ اجلاس گیمیا کے کرتا دھرتا زور دار بچے میں نہ سہی دھبی اور نیا ز مندا نہ آواز میں سہی۔ ہاتھ جوڑ کر اور ہاتھ رگڑ کر ہی سہی۔ ارباب اقتدار سے اتنی گد ازش تو کم سے کم کر ہی لینے کہ اے نیک نہادو! یا تو ٹھہل کر بتا دو کہ شیخ عبداللہ کا جرم ہے کیا تاکہ ہمارے ضمیر کی خلش دور ہو سکے یا پھر شیخ کو رہا کر دو تاکہ جمہوریت کے دامن سے کالک کا یہ بڑا ساداغ تو رط ہی جائے۔

مگر توبہ۔ شیخ عبداللہ کا نام لے کر ہمارے شرعی بازیکر کا نگر سی شہزادوں کی ترچھی نظروں کا خطرہ کیوں مٹا لینے۔ ایکشن سرپر ہے۔ کانگریس کی پالکی اٹھا کر لے چلنے کا فریضہ تو بہر حال ابھی غریبوں کو انجام دینا ہے۔ چشم یار کی شہ سے یہ خدمت بھی انھیں ہی انجام دینی ہے کہ مجلس شہادت کے عنوان سے اچانک اتحاد بین المسلمین کی جو صورت نکل آئی تھی اسے جلد آدھ جلد فنا کے گھاٹ اتار دیں۔ جماعت اسلامی کا بیر تو چشم بددور بہ ماں کے پیرٹ سے لیکر پیدا ہوئے ہیں۔ بھلا انھیں کیا غرض کہ شیخ عبداللہ نظر بند ہے یا آزاد۔ ان کا سب سے بڑا اور مخوری مقصد یہ ہے کہ

دبا کر شکل اکثر قریب پرست پارٹیوں کو بے بس اور غیر مؤثر بنایا تھا۔ ان کو پھر دوبارہ زندہ کرنے کے لئے مجلس مشاورت کی جانب سے کوشش ہونے لگی۔ خاص طور پر جمعیتہ علماء ہند کے مقابلے میں مجلس مشاورت کو جماعت اسلامی نے بطور مقابلہ و معاند نظر کر دیا اور مجلس مشاورت نے جماعتی واحد نمائندگی کا رگ الا پنا شروع کر دیا اور شکستہ کے بعد سے مجلس قیام تک مسلم قیادت کے فقدان کا پر و سیکٹڈ آیا گیا تاکہ مسلم لیگ جماعتی قیادت سے مجلس مشاورت کی قیادت کا رشتہ جوڑا جاسکے۔

مجھے آپ ؟ یہ میں وہ ارباب ریش و دستار جنھوں نے شاید زمانہ جاہلی کے یہودی کی طرح یہ تصور کر رکھا ہے کہ خدا ان کا رشتہ دار ہے لہذا وہ جو چاہے کریں، جو چاہے لکھیں جو چاہے بولیں کوئی محاسبہ ان سے نہیں ہوگا۔ جنت ان کی جاگیر ہے۔ حوریں ان کی باندیاں ہیں۔ جھوٹ، افتراء، گفرت بے رحمی، بے حیائی اور ڈھٹائی۔ کونسا وصف ہے جسکی جھلیکیاں ان چند فکروں میں نہیں ملتیں۔ موت کو بھول گئے ہیں یہ لوگ۔ بھول گئے ہیں کہ خدا سے واحد انقہار کے آگے انھیں جواب دہی بھی کرتی ہے۔ بھول گئے ہیں کہ ناپاک پانی کی حقیر توند سے پیدا ہونے والے ظلم و جہول انسان کو اس کے خالق نے کس اخلاق، کس انصاف، کس انداز فکر کی ہدایت کی تھی۔

نوٹ یہ بھی کر لیجئے کہ فخر المیثین (۹) کے خطبے یا کسی مقرر کی تقریر یا اجلاس کی یا س کی ہوتی قرار دادوں میں شیخ عبداللہ کا ذکر تو کیا ان کے نام کا سایہ تک نہیں آیا ہے۔ کیوں آتا۔ معلوم ہے کہ اس نام کو سنکر بہترے خداوند ان نعمت کے ماتھوں پر تسکین پڑ جاتی ہیں۔ بھلا مقدس زبانوں کو ایسے ناپسندیدہ نام سے داغدار کیوں کیا جاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زائد بار فرمایا ہے کہ جو لوگ ظلم ہوتے ہوتے دیکھتے ہیں اور اپنی مقدرت کی حد تک اسے دفع کرنے کی کوشش نہیں کرتے وہ سمجھ لیں کہ عنقریب وہ خود بھی ظلم و

انسان! لیکن اس احساس کا رد عمل بیدت سمجھیے کہ ہم ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ رہنے کی اسکیم بنا رہے ہیں۔ استغفر اللہ۔ جہد و عمل تو ہماری زندگی ہے۔ آپ دیکھتے چلیے۔ اگر بد قسمتی سے ہمیں سو سال بھی جینا پڑا تو جناب دیکھیں گے کہ تجلی کے صفحات اتنے ہی جوان ہیں جتنے آج نظر آتے ہیں۔

بیکو اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خاص نمبر کے متعلق تفصیلی اعلان اسی شمارے میں کسی صفحے پر ملاحظہ فرمائیں۔ جی چاہے تو تجلی کی مزید توسیع اشاعت پر بھی کچھ توجہ دے لیں۔ اس لئے نہیں کہ ادارہ تجلی کو پیسوں کی ضرورت ہے۔ فقط اس لئے کہ حق و صداقت کی آواز کو دور تک پھیلانا اچھی بات ہے۔

تذکرہ صوفیائے پنجاب

اعجاز الحق قدوسی کے لکھے ہوئے تذکرے انڈی عقیدت اور مبالغہ آرائی کے نہیں تحقیق و تدقیق کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ یہ ضخیم تذکرہ بھی اسی کا نمونہ ہے۔ سو کے قریب صوفیاء و مشائخ کے حالات و سوانح۔ مجلد پندرہ روپے۔

اویسے لاہور لاہور کے تقریباً ساٹھ ممتاز اولیائے کرام کے دل آویز حالات و کوائف تصحیح و جواشی کے ساتھ۔ مجلد ساڑھے پانچ روپے۔

کتاب التوحید محمد بن عبدالوہاب نجدی کی معرکہ الآراء بدعات و شرکیات کا رد اور توحید و سنت کا اثبات کرتی ہے۔ اردو ترجمے کے ساتھ عربی متن بھی موجود ہے۔ قیمت مجلد سواتین روپے۔

فاران دکوچی کا توحید نمبر شرکت بدعت کی بیخ کنی مضامین پر مشتمل یہ ضخیم اور مشہور نمبر آج بھی آپ ہم سے طلب کر سکتے ہیں۔ ساڑھے چار روپے۔ (مجلد چھ روپے)

مسلمانوں کی واحد نمائندگی کا تاج ان کے سر پر جم جائے اور باقی تمام مسلم جماعتیں حکومت کی کالی فہرست میں درج کر دی جائیں۔

لیجے خاص نمبر آگیا

بلن و بر تر ہے وہ ذات جس نے آخر کار ہمیں اس اعلان کی توفیق بخشی کہ انتشار اللہ خاص نمبر یکم اگست ۱۹۶۶ء کو طلوع ہو رہا ہے۔ ہنسی نہیں۔ کام چھوٹا ہو یا بڑا۔ اللہ ہی کی توفیق اور مدد سے ہو پاتا ہے۔ کسی رسالے کا خاص نمبر نکال لینا کارنامہ نہیں ہے مگر ہم ان دقیقہ نوسی لوگوں میں ہیں جو بیسویں صدی میں بھی یہی ایمان اور یقین کامل رکھتے ہیں کہ کارنامے تو الگ رہے منہ تک لقمہ لیجانا بھی انسان کے بس کا روگ نہیں جب تک کہ خالق و مالک ہی کی چشم عنایت سے ہاتھ کو جنبش کی اجازت نہ مل جائے یہی وجہ ہے کہ آج فقط اعلان کرتے ہوئے بھی ہمارا دل احسان خداوندی کے احساس سے سراپا تشکر ہے اور ہمیں توقع ہے کہ رحیم و کریم آقا نہ صرف اس اعلان کی لاج رکھے گا بلکہ وہ تجلی سے تعلق رکھنے والے ہزاروں ہزار شائقین کے قلوب کو ایسا مسخر کر دے گا کہ جب وہ اس خاص نمبر کا مطالعہ فرمائیں گے تو بے اختیار ان کی زبان سے نکلے گا کہ اے اللہ۔ تجلی کو تادیر زندہ رکھ اور اسکے مدیر کو عمر طویل عطا کر۔

ہر تعریف رب العالمین ہی کے لئے ہے۔ کوشش ہم پوری کر رہے ہیں کہ یہ نمبر آپ کے لئے نہ بھولنے والا تحفہ بن جائے۔ مگر کامیابی خدا ہی کے ہاتھ ہے۔ عجیب سی بات ہے کہ جوں جوں تجلی کی اشاعت و قبولیت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اتنا ہی اتنا یہ احساس گہرا ہوتا جاتا ہے کہ عام جس ڈھانچے کا نا ہے وہ آخر ہے کیا۔ ایک بے حیثیت وجود جس کی اصلیت ایک قطرہ آب سے زیادہ کچھ نہیں اور جس دن اس کی مدت حیات ختم ہوئی چار آدمی اسے کاندھے پر اٹھا کر قبر میں ڈال آئیں گے۔ ہائے لے

ایک خط

روز نامہ دعوت کے سر روزہ ایڈیشن میں "سنگ نہ خشت" کا لطیفہ نازک کالم لکھنے والے تخلص بھوپالی سے آپ ناواقف نہ ہوں گے۔ اس سے قبل وہ "پاندان والی خالہ" لکھ کر خاصی شہرت حاصل کر چکے ہیں۔ ایک فنکار کی حیثیت میں ان کا درج ذیل خط یقیناً اس قابل ہے کہ آپ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ "ولی را دی می شناسد" اب کہندے ہیں کہ "ملا را ملا می شناسد"۔ ملا ابن العرب کی کتاب "مسجد سے میخانے تک" کو پڑھ کر اگر میر تقی میر سے ارباب ذوق نے بڑے بڑے کہیں سیدگی کے خطوط ارسال فرمائے ہیں، لیکن تمہارا ہی ایک خط کو شائع کرنے کی وجہ سے یہ ہے کہ تخلص صاحب کی حیثیت طنز و مزاح کے باب میں ایک جوہری کی سی ہے جوہری کسی پتھر کو میرا کہنے تو بات و زندار ہو جاتی ہے۔ (آپ کا تخلص "میر مکتبہ تجلی")

مختصری سلام ممنون

۲ مئی ۱۹۶۶ء - بھوپال

ہاں صاحب ملا کی تصنیف پڑھ کر فارغ ہو گیا۔ مسجد سے میخانے تک پہنچتے پہنچتے طنز و مزاح کی جملہ کائنات کمزور معدے کے باوجود مضخم کر گیا۔ نہ تو اس دوران بدھنڈی کی شکایت رہی اور نہ کوئی گھرائی محسوس ہوئی اور یہی اس خوبصورت کتاب کی خوبی ہے۔ آخری صفحے تک آمد ہی آمد ہے کہ ہمہ وقت دماغ میں پھل پھل پھل چھوٹی محسوس ہوتی ہیں۔ ہمارے ملا کے پاس الفاظ کا کتنا بڑا ذخیرہ ہے۔ سبحان اللہ۔ اور پھر ان کی بر محل کھیت اور استعمال۔ معاذ اللہ۔ حقیقت یہ ہے کہ عرصے کے بعد طنز و مزاح کے میدان میں ایک ایسا مرد مومن نمودار ہوا کہ بہت سارے مسخرے اگر اپنی عافیت کی خاطر ملا کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنا امیر المؤمنین بنانے کی خواہش ظاہر کریں تو ہرگز بدعت نہ ہوگی۔ اگر مغفرت کے لئے شریفانہ طنز و مزاح کی شرط لازم ہوتی تو یقین ہے کہ ملا کی عقوبتی بھی سدھر گئی۔ کم از کم مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ اس خوبصورت کتاب کو پڑھنے کے بعد میرا احساس کمتری رشک و رقابت کی طرف بڑھنے پر مائل نظر آتا ہے۔ ایسا پاکیزہ مزاج اور شریفانہ طنز اس دور انحطاط میں کا ہے کسی کو نصیب ہونے لگا۔ جزاک اللہ۔ اور کیا عرض کروں۔ ملا نے اپنی تصنیف نازل فرما کر یہ بالکل ظاہر کر دیا کہ "ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں"۔ کئی فقرے تو خدا جانتا ہے ایسے دلنشین ہو گئے ہیں کہ زندگی بھر تک دماغ میں گمراہ کرتے رہیں گے اور بیانات مصنف کے فن کی مقبولیت کی دلیل ہے کہ وہ لوگوں کے ذہنوں میں زندہ رہے۔ امید کہ آنجناب مع الخیر ہوں گے۔ ملا کبھی خوشگوار مومن ہوں تو میرا مودبانہ سلام کہیے۔

خادم
تخلص

2/5/66

والدہ انجم بہار (کوچہ لالہ میاں) رامپور

خدا پرستی اور شجر پرستی کے عقیدوں کا امتحان

فروری ۱۹۶۶ء کی بات ہے کہ میں اپنی چچی انجم بہار کو لیکر رامپور کے سرکاری زمانہ اسپتال میں داخل ہوئی۔ یہ چچی وٹمنسل کی مریض تھی اور تمام علاج معالجوں میں ناکام ہونے کے بعد اب یہ طے پایا تھا کہ اس کے حلق کے یہ دونوں غدود نکلوا دیے جائیں۔

میں اسپتال میں پہنچی تو یہ دیکھ کر مجھے سخت دکھ اور بے چارگی محسوس ہوئی کہ وہاں ایک نیم کا درخت مسلمان اور غیر مسلم بہنوں کی عقیدت کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اس پر ہمارے چھٹے چارے ہیں اور یہ عقیدہ اس سے واپس لیا جا رہا ہے کہ اس درخت پر کوئی ”میاں“ ہیں کہ جن کو اس طرح خوش کئے بغیر مریضوں کو شفا حاصل نہیں ہوتی۔ غیر مسلم بہنوں سے تو میں کیا شکایت کرتی کیونکہ وہ تو درختوں اور دریاؤں اور خدا کی نہ جانے کس کس مخلوق کو خدا کی صفات میں شریک کئے ہوئے ہیں ہی۔ لیکن مسلمان بہنوں کے حال پر میرا دل ضرور دریا کہ یہ کلمہ تو ایک اور وحدہ لا شریک خدا کا پڑھتی ہیں مگر پھر بھی اس بھانپنا تو ہوئے کاشکار ہو گئیں کہ کوئی اور بھی ان کو نفع پہنچانے یا نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتا ہے۔

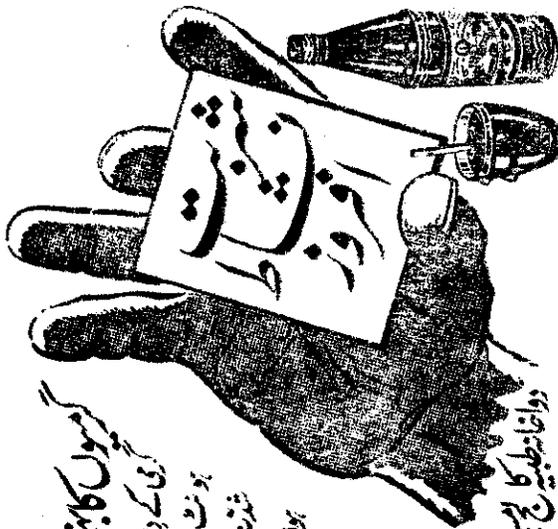
اتفاق دیکھئے کہ اسپتال میں مریضوں کی بھڑکی وجہ سے مجھے اس درخت ہی کے نیچے اپنا چولہا جلانا پڑا۔ میری ان مسلمان بہنوں نے جب مجھے پہلے دن وہاں آگ روشن کرتے دیکھا تو ان کی حیرت اور پریشانی دیکھی نہ جاتی تھی۔ وہ میرے پاس آئیں اور مجھے سمجھایا کہ میں اس درخت کا احترام کروں اور یہاں سے ہٹ جاؤں ورنہ ڈر ہے کہ میری بچی اور میں دونوں تباہ ہو جائیں

ان کا یہ ہمدردانہ مشورہ سن کر میرے سینے میں غیرت توحید کے شعلے بھڑک لٹھے اور میں نے ان کو صاف صاف بتا دیا کہ اس درخت سے بھی بہت اوپر جو ”اللہ میاں“ ہیں میں صرف ان کی بندگی ہوں اور سمجھتی ہوں کہ نفع یا نقصان پہنچانے کی کوئی طاقت خدا کے سوا اور کسی میں بھی نہیں ہے اور کوئی بھی چیز یا کوئی بھی مخلوق حقیقی خالق و معبود ایک اور سچے خدا کی خدائی میں ذرہ برابر بھی شریک نہیں ہو سکتی۔

یہ بحث پڑھتی گئی۔ ساتھ ہی میرا استقلال خدا کے فضل سے بڑھتا گیا۔ عورتیں آتی اور سمجھاتی رہیں مگر مجھے اسی جگہ اپنے کام میں شغول یا کمر ناکام لوتی رہیں۔ اس کے بعد یہ ہوا کہ کچھ عورتوں نے مجھے آکر بتایا کہ انھوں نے خواب میں ان ”درخت والے میاں“ کو دیکھا ہے کہ وہ میرے اس عمل پر مجھ سے خفا ہیں۔ اور مجھے تباہ کرنے کی دھمکیاں دے رہے ہیں۔ میں نے ان مسلمان بہنوں سے کہا کہ اگر خدا کی خدائی میں سا بھی ہونے کا یہ دعویٰ کسی نے خواب میں کیا ہے تو میرے عقیدے اور عقل کے مطابق وہ کوئی ”بزرگ“ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ وہ تو یقیناً شیطان ہی ہو سکتا ہے کہ جس کو سوائے آنحضرتؐ کی شکل کے ہر شکل و صورت میں سامنے آنے کی طاقت حاصل ہے۔ بس حضورؐ کی صورت میں وہ نہیں آ سکتا تو اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ جس طرح وہ ہمارے ماں باپ آدم و حوا اور ان کی اولاد کا دشمن ہے اسی طرح میں بھی اس کی دشمن ہوں۔ اور ہرگز اس کے ڈر اوے میں نہیں آؤں گی۔ بلکہ

اسٹاف سے اس واقعہ کی تصدیق کر لے۔ اس زمانے کا اسٹاف جب بھی مجھے اور میری سچی کو دکھتا ہے تو کہتا ہے۔ ”یہ تھی وہ عورت!۔۔۔ اور یہ وہ سچی تھی جس کو بھگوان نے خود اچھا کر دیا۔۔۔“

اس واقعہ کو شائع کرنے کا خاص مقصد یہ ہے کہ ہمارے علمائے دین کو معلوم ہو سکے کہ ایک خدا کے پجاری کس طرح درختوں تک کی پوجا کی طرف چلے جا رہے ہیں اور عوام کو معلوم ہو کہ اگر آج بھی کوئی خدا پر بھروسہ کرے تو خدا وہی قادر مطلق خدا ہے جو ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔ مجھے یقین ہے کہ اگر میں درخت سے ڈر کر ہمارے بچوں پر شہادت دیتی تو یہ واقعہ پھر بھی ہوتا، یہ تو میری قسمت میں لکھا ہوا تھا مگر اس وقت اس کا سہرا اس درخت والے میاں کے سرسب لوگ بانٹ رہے تھے۔ اب اس کا سہرا صرف اللہ کی مدد کے سر ہے۔ اب کتنے بندے اور بندیاں ہیں جو اس کا یقین کرتی ہیں اور خوش ہوتی ہیں۔ پہلی صورت میں تو میرا دین بگڑتا اور دنیا سنو رتی۔ اب دوسری شکل میں میرا دین بھی سنو گیا اور دنیا بھی بن گئی ہے۔ الحمد للہ۔



دوا خانہ طبیب عالم دیوبند علی گڑھ
پہنچانا ہے۔
ہوں نسیم وارثی
شہادت سے شکایت کرنے کی
یونٹ پاسس کی
گری کے دفن میں جس کو
کیموں کا بہترین شہر ہے



اب تو میں اس کے درخت والے یہ ہا رہی اتار اتار کر پہنوں کی اور دیکھوں گی کہ وہ میرا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ میری یہ باتیں سن کر ان عورتوں نے کانوں میں نیکیاں دے لیں۔ اور پھر جب انھوں نے سچ جچ مجھے وہ ہا اتار اتار کر پہنتے ہوئے بھی دیکھ لیا تو خوف کے مارے ان کے چہروں کا رنگ اڑ گیا۔

ایک طرف میں یہ سب کچھ کہہ رہی تھی مگر دوسری طرف نمازیں پڑھ پڑھ کر اور رورور کر اپنے اللہ سے یہ التجا میں اور دعا میں بھی کہہ رہی تھی کہ ”خدا یا! مجھے خوب اچھی طرح معلوم ہے کہ میں صرف تیرے بھروسے پر اور صرف تیری توحید کا بول بالا کرنے کے لئے یہ سارے خطرے مول لے رہی ہوں۔ لے اللہ! اگر قسمت سے اس وقت میری سچی کو شفا نہ ہو تو یہ سب عورتیں یقین کر لیں گی کہ مجھے اسی درخت نے نقصان پہنچا دیا۔ اے میرے مالک! میری بندگی اور اپنی توحید کی لاج رکھنے کے لئے میری مدد کر!“

آخر آخر وہ دن بھی آ ہی گیا کہ جس دن آپریشن کے لئے میری لٹ کی کو میز پر لایا گیا۔ نرسین اور ڈاکٹر سب آ گئے اور انھوں نے سچی کے غدد دیکھنے کے لئے ہاتھ بڑھا یا۔ اچانک ان کے منہ سے زبردست حیرت کی چیخ نکلی۔ کیونکہ انھوں نے دیکھا کہ سچی کے وہ غدد اس کے گلے میں غائب ہو چکے تھے!۔۔۔ خود بخود آپریشن ہو گیا تھا!۔۔۔ نہیں! بلکہ یہ کہتے کہ خدا نے خود اپنے ہاتھ سے میری سچی کا آپریشن کر دیا تھا!۔

یہ خبر سارے اسپتال میں بجلی کی طرح پھیل گئی۔ اسپتال کے عملے کے ہر فرد کی زبان پر یہ بات تھی کہ ”بھگوان نے خود ہی اس سچی کے غدد نکال دیئے!“ اور میں ان عورتوں کو بلا بلا کر پکار پکار کر کہہ رہی تھی کہ ”کہاں ہیں وہ بہنیں جو مجھے ایک درخت سے ڈراتی تھیں۔۔۔ وہ آئیں اور دیکھیں کہ خدا سے ڈرنے کا انجام کیا ہے اور یہ کہ اسکی خدائی میں کوئی شریک نہیں۔“

جس کا جی چاہے وہ فروری ۱۹۶۷ء والے اسپتال کے

تجلی کی ڈاک

بینکوں کی ملازمت

سوال ۱:۔ انر۔۔ غیر الکریم۔ کوئٹہ۔

فدوی دفتر میں کلر کی کرتا ہے اور تنخواہ مکان کا کرایہ گھٹا کر سواروے مل جاتی ہے۔ اگرچہ فدوی کا خاندان ڈونفوس پر مشتمل ہے۔ لیکن پھر بھی گزارہ تنگی ترشی سے ہوتا ہے۔ حالانکہ ابھی شادی باقی ہے اور بچے باقی۔ خدا جانے پھر کیا حشر ہو۔ فدوی نے دور اندیشی سے کام لیتے ہوئے اسٹیٹ بینک میں فکری کے لئے کوشش کی ہے۔ کیونکہ وہاں کافی سہولتیں ہیں اور گزارہ طریقہ پر ہوگا، لیکن فدوی کو پتہ چلا ہے کہ چونکہ بینکوں میں سودی کاروبار ہے۔ اس لئے وہاں کی ملازمت ناچائز ہے اور وہ پیسہ سود کھانے کے برابر ہے۔ فدوی پہلے یہ بتانا بھول گیا کہ دفتر سے چھٹی کے بعد کسی قسم کی پرائیویٹ ملازمت کی اجازت نہیں ہے۔

خدا اُس دن سے پہلے موت دے۔ جب کہ میں کسی فتنے میں مبتلا ہو جاؤں۔ آپ سے التماس ہے کہ فدوی کی صحیح رہنمائی فرمائیں اور واضح طور پر بتلائیں کہ اسٹیٹ بینک کی ملازمت کی اجازت ہے یا نہیں؟

جواب ۱:۔

بینکنگ کا سارا نظام سودی لین دین ہی پر قائم ہے اور جو علماء ناگزیر حالتوں یا شدید ضرورتوں میں بینک کے توسط سے کاروبار کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں وہ بھی یہ فتویٰ شاید نہ دے سکیں کہ بینک کی ملازمت کراہت سے خالی ہے

بھلائیوں سے تعاون کرنا اور برائیوں سے ترک متعاون یہ قرآن کا معروف حکم ہے۔ بینک کی ملازمت تعاون علی الاثم یعنی برے کام کی مدد کے دائرے میں بالیقین آتی ہے لہذا کوشش ہی کرنی چاہئے کہ دوسری ملازمت میں چاہے گزارہ تنگی ترشی سے ہو۔ لیکن بینک کی ملازمت سے کنارہ کش رہا جائے۔

تباکو کا استعمال

سوال ۲:۔ از۔ شمس لفظی خاں۔ گورکھ پور۔

تباکو کا استعمال خواہ کسی طریقے سے ہو، کھانا یا پینا از روئے شریعت کرنا چاہئے یا نہیں؟ یہاں پر یہ مسئلہ زیر بحث ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں مکروہ کھرجی ہے اور کچھ لوگ کہتے ہیں قطعی حرام ہے؟

جواب ۲:۔

ریح کی بات ہے کہ بعض لوگ علم و تحقیق کے بغیر مسئلہ بگھارنے لگتے ہیں۔

تباکو کھانا یا پینا نہ حرام ہے نہ مکروہ تحریمی۔ مکروہ تحریمی

تو کم و بیش حرمت ہی کے خانے میں آتا ہے۔ کسی شے کو حرام

یا قریب قریب حرام قرار دینے کے لئے مضبوط شرعی دلائل

چاہئیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ یہ دلائل کیا اور کہاں ہیں۔ ان

بحث کرنے والوں سے دریافت کر کے اگر آپ ہمیں دلائل

سے مطلع فرادیں تب تو ان پر نقد و تبصرہ ہو سکتا ہے۔ لیکن

بحالت موجودہ ہم اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ سگریٹ یا سگار یا پی

وجہ نہیں۔

رہے وہ سادہ لوح علماء جنہوں نے حقے تک کو ناجائز نہ کہہ ڈالا ہے تو ان کے بارے میں ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ ان میں معصومیت زیادہ ہے اور ثقہ کم۔ انھیں دین سے محبت بہت ہے مگر قانون شرعی کے فہم و دراست کا دماغ نہیں۔ ان کی ہوشمندی جذبہ تیرت سے مغلوب ہو گئی ہے۔ اللہ انکی مغفرت کرے اور جو زندہ ہیں انھیں فہم سلیم عطا فرمائے۔

نور محمدی وغیرہ

سوال ۲: - انہ۔ حافظ علی خاں۔ راولپنڈی۔

کتاب نثر الطیب میں مولانا اشرف علی صاحب نے یہی فصل "نور محمدی" میں لکھا ہے:-

سب سے پہلے اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور جب کہ کچھ بھی نہیں تھا اپنے نور سے بے راکیا۔ پھر وہ جہاں چاہا میر کر تار ہا۔ جب اللہ کو خلق کرنا منظور ہوا تو اس کے چار حصے کئے ایک سے لوح دوسرے سے قلم تیسرے سے عرش پیرا کیا۔

دوسری فصل میں ہے کہ جب آدم علیہ السلام سے خطا کا ارتکاب ہو گیا تو آپ کے بوا اسطہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگی اور اللہ تعالیٰ نے مغفرت فرمائی اور فرمایا کہ اگر محمد نہ ہوتے تو تم کو بھی نہ پیرا کرتا۔

قصیدہ بردہ میں ہے کہ ہر متعجزہ جن کو رسولان کرام لائے ان کو حضور پیرا لوز کی بدولت پہنچا۔

واقعہ معراج کے سلسلے میں لکھا ہے کہ آپ نے راہ میں بعض مقامات متبرکہ میں نماز پڑھنا موجب برکت ہے۔ ہوا کہ مقامات متبرکہ میں نماز پڑھنا موجب برکت ہے۔ اس قسم کی اور بھی ایسی روایتیں درج ہیں جنکو بریلوی حضرات بھی بیان کرتے ہیں اور اس کتاب کا حوالہ بھی دیتے ہیں کہ مولانا اشرف علی صاحب نے اپنی کتاب میں ایسا لکھا ہے۔ لیکن آج کل کے دیوبندی اہل پنے بزرگوں کی روایتوں سے انکار کرتے ہیں۔

یا ان میں جو تمباکو استعمال ہوتا ہے اس کی حرمت پر کوئی دلیل قانون شریعت میں موجود نہیں ہے اور زیادہ سے زیادہ اگر کوئی حرف گیری تمباکو کے استعمال پر کی جاسکتی ہے تو وہ یہ ہے کہ اس طرح ہم فضول خرچی کا جرم کرتے ہیں۔

فضول خرچی اگر چہ بجائے خود حرام ہے لیکن اس کے بھی مدارج اور نوعیتیں ہیں۔ اگر بلا تخرید و تفسیر ہر قسم اور ہر درجے کی فضول خرچی کو یکساں طور پر حرام قرار دیدیا جائے تو حائے نوشی ہی کب جائز رہے گی اور ان بے شمار فضولیات کا کیا جو از ہو گا جنھیں تمدن کے ایک تدریجی ارتقاء کے زیر اثر ہم نے ارادی اور غیر ارادی طور پر اپنی ضروریات زندگی اور عادات میں داخل کر لیا ہے۔ ایک صوفیہ سیدٹ آپ نے پانچ سو کا خرید احالانکہ بیٹھے کا جو فائدہ اس سے حاصل کرنا نکرنا ہے وہ ہی پچاس روپے کی چٹ کر سیوں یا بیس روپے کی دو تین چار یا بیسوں سے حاصل ہو سکتا تھا۔ اس اعتبار سے صوفیہ سیدٹ کی خریداری یقیناً فضول خرچی ہوئی۔ پھر کیا شریعت اسے حرام قرار دے گی۔

بالکل نہیں دے گی۔ وہ بدلتے ہوئے زمانوں کے مقتضیات، مروجہ تہذیب و تمدن کے لوازم، معاشرتی اقدار اور عزت و شرافت کے زمانی معیاروں کا اس حد تک لحاظ ضرور کرتی ہے جس حد تک اس کے اصول و مبانی پر حرف نہ آئے۔

آج تمباکو نوشی عام ہے۔ اس عیومیت کے باعث نئی نسلوں کا اس عادت میں مبتلا ہو جانا اجتماعی نفسیات کا ایک قدرتی تقاضا ہے لہذا یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ ایک عالم یا صوفی یا شیخ اور استاد کا سگریٹ پینا اس کے منصبی وقار اس کے مرتبے اس کی وضع اور شریکے خلاف ہے لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ فعل حرام ہے۔ ایسا کہنا اسلئے ممکن نہیں کہ حرمت صرف نشہ آور چیزوں کی وارد ہوتی ہے اور نشہ کی ایک تعریف بھی ماہرین شریعت نے متعین فرمائی ہے۔ سگریٹ وغیرہ میں جو نشہ ہوتا ہے وہ اس تعریف سے خارج ہے لہذا حرام یا قریب قریب حرام ٹھہرانے کی کوئی

اسی لئے زندہ تسلیم کرتے اور مدد طلب کرتے ہیں اور پکاروں کو سنا تسلیم کرتے ہیں۔ یہی سب باتیں مولانا اشرف علی صاحب کی کتاب اور مولانا احتشام الحق صاحب کے بیان میں مل رہی ہیں اپنی سمجھ ناقص میں کچھ نہیں آیا کہ فسق کیلئے اور اختلاف کیوں ہے اور آپس میں جنگ و جدل و کفر و شرک کے فتوے کیوں ہیں۔

قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دعا کے کلمات القیٰ فرمائے تھے۔ نثر الطیب میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے عرش پر حضور کا نام لکھا ہوا دیکھ کر ان کے ذریعے سے دعا مانگی تھی۔

کلام نجی سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولوں میں فرق نہ کرو۔ اس کتاب کے پتہ چلتا ہے کہ تمام رسولوں کو حضورؐ کی ہی بدولت مجزے عطا ہوئے تو کیا یہ فرق کرنا نہ ہوا؟ جہاں آیا ہے کہ بعض کو بعض پر فضیلت دی وہاں کسی کا نام نہیں ہے۔

جس درخت کے نیچے بیعت رضواں ہوئی اُس کے نیچے جب لوگوں نے نماز پڑھنا شروع کیا تو حضرت عمرؓ نے اس درخت کو کٹوایا۔ نثر الطیب کے پتہ چلتا ہے کہ مقامات تبرک میں نماز پڑھنا موجب برکت ہے۔ قرآن کی آیات کے خلاف کوئی مضمون اگر بریلوی حضرات بتلاتے ہیں تو ان پر سخت اعتراض ہوتا ہے اور وہی مضمون اگر دیوبندی علماء اپنی تحریروں یا تقریروں میں بیان فرمادیں تو کوئی مخالف نہیں ہوتا یا پھر فرق اپنی سمجھ ہی میں نہیں آتا۔

ہر بات فرما کر آئندہ تجلی کے ذریعے وضاحت فرما کر رہنمائی فرماویں۔ دوسرے اور بھی بہت سے لوگ اسی شش و پنج میں مبتلا ہیں کہ بریلوی حضرات تو مولانا اشرف علی صاحب کی کتابوں سے حوالہ دیتے ہیں پھر ان پر اعتراض کیوں ہوتا ہے؟

جواب :-

ہم ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو یہ حسن ظن رکھتے ہوں کہ فکرو فہم کی ساری خامیاں بس ان گردو ہوں میں ہیں جن کا مسلک اور عقائد ہمارے نزدیک غلط ہیں اور ہمارے اپنے گروہ میں خامی نہیں۔ ہمیں بلا تکلف اعتراف ہے کہ انداز فکر اور فہم و دراست کی متعدد خامیاں اور خطا میں خود ہمارے حلقوں

مولانا احتشام الحق صاحب بھی آج کل ہمیں گئے ہوئے ہیں اور ایک سیرت النبیؐ کے جلسے میں انھوں نے بھی اسی قسم کے مضامین بیان فرمائے ہیں۔

ولادت کے متعلق بیان فرمایا ہے کہ حضورؐ کی ولادت چار قسم کی ہے۔ ایک ولادت روحانی۔ ایک ولادت جسمانی۔ ایک ولادت نبوی۔ ایک ولادت عمومی۔ ولادت روحانی یہ ہے کہ جب کچھ نہیں تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے حضورؐ کو پیدا فرمایا۔

ولادت جسمانی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو حضورؐ کے نور کو آدم علیہ السلام کی نیت پر رکھا اور پھر یہ نور پیروں کے واسطوں سے منتقل ہوتا ہوا حضرت عبد اللہؐ تک پہنچا۔ ان سے آپؐ کی ولادت ہوئی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی تو یہ کا قبول ہونا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کو نجات ملنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نار سے صحیح سلامت آنا۔ اسی وجہ سے کہ حضورؐ کا نور ان حضرات کی نیت پر تھا۔

ولادت نبوی یہ ہے کہ چالیس سال کی عمر میں حضورؐ کو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا اور کار نبوت انجام دینے پر مامور کیا گیا۔

ولادت عمومی یہ ہے کہ جب آپ دنیا سے تشریف لے گئے اور دنیا سے پردہ کیا تو یہ کام نبوت کا امت پر عائد ہوا اور تمام امت کا نبوت انجام دینے پر مامور ہوئی اور یہ بھی فرمایا کہ آپ امت کے حالات واقف ہیں۔ حضورؐ کے لئے فرمایا کہ قرآن کریم میں حضورؐ کو اللہ نے نور ہی کہا ہے اور شریعی۔ یعنی حضورؐ اللہ کا نور بھی ہیں اور بشر بھی۔ جیسے تم سے کوئی پوچھے کہ تم آدمی ہو یا مسلمان تو ایک جواب دینے میں دوسرے کی نفی ہوگی جو غلط ہوگا۔ صحیح جواب یہ ہوگا کہ آدمی بھی اور مسلمان بھی۔

بریلوی حضرات بھی حضورؐ کو اللہ کا نور کہتے ہیں اور واسطوں اور وسیلوں سے دعا مانگنا بھی بتلاتے ہیں۔ پیغمبر یا ولی کو کہتے ہیں پردہ کر گئے۔ وفات کا لفظ استعمال نہیں کرتے

میں بھی نہ صرف موجود ہیں بلکہ ان کی وجہ سے بہتر سے باطل و فاسد عقائد اور غلو آمیز تصورات کو سہارا مل گیا ہے۔

اب یہی نور محمدی کا معاملہ لیجئے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہماری جا میں قربان۔ ان سے عقیدت و محبت تو جو ہر ایمان سے اور ان کی تعظیم و تکریم کے بغیر نجات کی توقع ہی نہیں کی جاسکتی۔ لیکن ان کے وجود جسمانی کا جو خیالی تجربہ بعض کمزور روایات کے تحت کیا جاتا ہے اس میں نہ تو ہمیں کوئی جان نظر آتی ہے نہ صحابہ کرامؓ اور ثقہ محدثین کی زبان سے اس قسم کا فسانوی تجزیہ سننے میں آیا ہے۔ انھیں اللہ نے قرآن میں "نور" کہا ہے تو وہ فقط اس معنی میں کہ ان کے دم سے کفر و شرک کی تاریکیاں دور ہوئیں اور بنی نوع انسان کو حق کی صراطِ مستقیم نظر آئی۔ اللہ نے قرآن کو بھی نور کہا ہے۔ بعض اور چیزوں کو بھی نور فرمایا ہے۔ یہ زبان و ادب کا ایک اسلوب ہے۔ اہل زبان جانتے ہیں کہ فصیح و بلیغ انشاء کنایوں، استعاروں اور تشبیہوں سے مزین ہوا کرتی ہے۔ اب اگر بعض لوگ کنایوں اور استعاروں کو ٹھیک لغت کی روشنی میں دیکھنے لگیں اور اصطلاحی انداز بیان کو اپنے من مانے مطالب کی خرد پر چڑھا دیں تو سوائے اس کے کیا نتیجہ نکلے گا کہ کہنے والے کا اصل مطلب تو غائب ہو جائے گا اور ایک ایسا مطلب سامنے آجائے گا جس کا تصور بھی کہنے والے کے حاشیہ خیال میں نہ گذرا ہو۔

تصور کا سایہ نہ ہونے کا جو عقیدہ غلط طور پر رواج پایا ہے اس پر مفصل بحث کرتے ہوئے ہم نے لفظ "نور" کے قرآنی استعمال پر بھی مفصل اور مدلل بحث کی ہے۔ جن کے پاس تجلی کا فائل ہو چند سال قبل کے پرچے دیکھ لیں۔ یہاں بس اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ حضورؐ بلاشبہ نور تھے مگر سائنسی اور طبعی حسی میں نہیں اصطلاحی اور تصوراتی مفہوم میں۔ آپ کی شریعت مسلمات میں سے ہے لہذا یہ بھی قطعاً طور پر یقینی ہے کہ آپ کا جسم مبارک بتوایات ہی سے مرکب تھا اور مادیات کو لاحق ہونے والے تمام طبعی خواص و لوازم اس سے وابستہ تھے۔

یہ بھی بالکل یقینی ہے کہ آپ اللہ کا نور تھے۔ لیکن اس

مفہوم میں نہیں کہ ان کی ہستی اللہ کی ہستی کا کوئی جزو تھی۔ لکڑی کے تختے سے آپ گڑھی بنتے ہیں۔ یہ گڑھی بالیقین اس تختے کا جزو ہے۔ تھان سے تھوڑا کپڑا الگ کیے کہ آپ لباس تیار کرتے ہیں۔ یہ لباس اسی تھان کا ایک حصہ ہے۔ اللہ کے نور اور حضورؐ کے نور میں اس طرح کا تعلق ہرگز نہیں۔ ایسا تصور کرنا شرک ہے اور نصرانیوں کے عقیدے کے بالکل مماثل۔ توحید کے مطابق صحیح تصور یہ ہے کہ اللہ نے اپنے کمال قدرت سے ایک نور پیدا کیا اور اس نور کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مادی وجود میں منتقل کر دیا۔ یہ نور تخلیق آدم سے بھی پہلے پیدا کر دیا گیا ہوا سمیں کوئی مضائقہ نہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے حضورؐ ہی کا نور پیدا کیا گیا۔ ان روایتوں کو مان لینے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن وہ روایتیں وہاں اور غلط ہیں جن سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ تمام کائنات حضورؐ کے نور سے پیدا کی گئی۔ ولادت کی جن چار قسموں کا ذکر کیا گیا ان پر اعتراض کی کوئی وجہ نہیں۔ ایسے نکتے وعظ کی جان ہوا کرتے ہیں۔ آپ چاہیں تو ایسی ہی نکتہ سنجی کے ذریعہ ہر انسان کی پیدائش کو چار سے بھی زیادہ قسموں میں منقسم کر سکتے ہیں۔ ایک نور کھانے ہی کی قسمیں اگر بدمذہب کے اعتبار سے کی جائیں تو درجن بھر ہو جائیں گی لہذا کیوں وعظ کا مزہ ایسی نکتہ سنجیوں کے ذریعے دو بالانہ کیا جائے۔ ہاں یہ امور قابل اطمینان ذرائع سے ثابت نہیں ہیں کہ حضورؐ کے نور کو حضرت آدمؑ کی پشت پر رکھا گیا ہو اور پھر منتقل ہوتا ہوا دوسرے پیغمبروں تک پہنچا ہو۔ اگر انھیں مان ہی لیا جائے تو کچھ حرج نہیں۔ خدا جس طرح چاہے اپنا نظام چلائے لیکن یہ تجلیل غیر مومنانہ ہے کہ حضرت نورؑ اور حضرت ابراہیمؑ وغیرہ کو سلا مٹی اسی نور کی وجہ سے میسر آئی تھی۔ سفینہٴ نوح کی نجات یا آتش خرد کی قلب بامہیت یا حضرت موسیٰ کے لئے دریا سے نیل کا کردار یا اور جو کچھ بھی دنیا میں پیش آتا رہا ہے وہ سب کا سب خالصتہً اور یکسر اللہ کی شریعت اور ارادے کا ثمرہ ہے نہ کہ کسی مخلوق کے توسط اور توسل کا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ نور محمدیؐ کا دوسرے انبیاء کی طرف انتقال شریعت تکوینی کا

کہ خدا کا بیغا مبرا اور آسمانی ہدایتوں کا نقیب ہونے کی حیثیت سے ہر نبی کیساں ہے۔ یہ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں نبی اور رسول برحق نہ تھا۔ اسی بات کو کائنات بے بین آجدا میں رسالہ کے الفاظ میں کہا گیا ہے۔ تفریق اور چیز ہے اور تفضیل اور خلقا راشدین دوسرے صحابہ سے یا عشرہ مبشرہ باقی اصحاب سے بلند مرتبہ ہیں لیکن نفس صحابیت میں سارے صحابی کیساں ہیں لہذا جس طرح ہم نام بناؤ بعض اصحاب کو بعض اصحاب سے افضل کہتے ہیں اسی طرح نام لیکر بھی بعض انبیاء کو بعض انبیاء سے بلند مرتبہ کہا جا سکتا ہے جیسے کہ ہم اپنے حضور کو تمام انبیاء سے افضل کہتے ہی ہیں لیکن اس کا نام لفظ نبی نہیں۔ لہذا یہاں تک تو ہم و اعظین سے متفق ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء پر فوقیت رکھتے ہیں لیکن یہ دعویٰ ہم قبول نہیں کرتے کہ تمام انبیاء کے معجزے حضور ہی کے طفیل تھے۔ یہ دعویٰ صرف غلو کی برادری ہے ورنہ نہ تو قرآن و سنت میں اس کی کوئی جگہ ملتا ہے نہ عقلی طور پر یہ پھر ہے۔ معجزے چاہے حضور ہی کے ہوں سب کے سب اللہ کے اشارے اور ارادے پر ظہور میں آئے۔ اللہ کی قدرت اور انبیاء کے معجزوں میں تمثیل ایسی ہی نسبت ہے جیسی ایک ہی شخص کی بنائی ہوئی مختلف مصنوعات ہیں۔ ایک کار بگر پینٹل کی چوڑی بھی بناتا ہے اور سونے کی بھی۔ ظاہر ہے دونوں کی قدر و قیمت میں بڑا فرق ہے لیکن اس باوجود وہ نسبت یکساں ہے جو اس کا رنگ کے فن اور ان دونوں چوڑیوں کی صنعت کے درمیان پائی جاتی ہے۔ یہی کار بگر اگر سونے کا ایک بہت ہی قیمتی اور باریک کام والا ہار تیار کرے تب بھی اس کا تعلق ٹھیک اسی فن سے ہوگا جس کے ذریعہ ایک سادہ چوڑی بنی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ کے معجزے ہوں یا حضرت عیسیٰ اور موسیٰ کے۔ وہ سب قدرت الہی کا منظر تھے اور ان کے ظہور کی علت صرف یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کا ظاہر کرنا مصالح وقت کے مطابق سمجھتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزوں کی معنوی حقیقت بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ وہ فی لفظ بڑے اور خاص اور شاندار ہو سکتے ہیں، لیکن ان کی نسبت خدا کے ارادے اور قوت و قدرت سے ٹھیک وہی ہے جو کسی اور

ایک جزو رہا ہو مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس نور کو کار فرمائی اور سبیت کا بھی کوئی تحقیقی درجہ حاصل ہو گیا۔ انیسویں کہ ان باریکیوں کو عام لوگ نہیں سمجھ سکتے اور شکرانہ تجلیات کا شکر کا ہو جاتے ہیں اسی لئے ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اتمثال نور اور پیدائش نور وغیرہ کی مرد و عورتوں کو ایساں مفید کم ہیں اور مضر زیادہ۔

حالت نہ اہت میں حضرت آدمؑ نے جو دعا کی تھی
 رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا اللَّاتِيهٖ اِسْ كَے بارے میں قرآن
 تو بے شک بس اتنا ہی بتاتا ہے کہ فَتَلَقَىٰ اٰدَمُ مِنْ رَبِّهٖ
 کلمات (اس سے کہنے کے لئے آدمؑ نے اپنے رب سے چند کلمات) لکھنا
 کس طرح پر تھا اس کی تفصیل موجود نہیں۔ اکثر مفسرین الفاظ
 اور الہام کا ہی ذکر کرتے ہیں اور القا الہام نام سے کسی
 محسوس و مرئی ذریعے کے بغیر قلب میں کسی خیال کے ظہور
 آنے کا۔ اب اگر تاویل کی کوشش کی جائے تو یوں کہا جا سکتا
 ہے کہ ممکن ہے حضرت آدمؑ کو عالم خیال میں عرش پر وہ
 الفاظ ثبت نظر آئے ہوں جن کو اپنے دعا میں استعمال فرمایا
 اور ان الفاظ کے اس پاس حضور کا نام بھی ثبت ہو۔
 نشر الطیب اس وقت میرے سامنے نہیں۔ اگر اس میں یہی
 لکھا ہے کہ حضرت آدمؑ نے حضور کا نام عرش پر لکھا دیکھ کر
 اس کے وسیلے سے دعا فرمائی تھی تب تو یہ بے سربازات ہے
 قرآن سورہ اعراف میں آدمؑ و حوا کے کلمات بیان کرتا
 ہے۔ اگر ان کلمات کے ساتھ ظاہر یا معنی حضور کے
 نام یا ان کے وجود یا ان کے تصور کا کوئی واسطہ متعلق ہوتا
 تو عین قرین قیاس تھا کہ آیت میں کم سے کم اجمالاً یا اشارہ
 اس کا ذکر آتا مگر ایسا نہیں ہوا لہذا یہ یقین کر لینا بہت
 مشکل ہے کہ آدمؑ و حوا کی توبہ اور دعا سے حضور کے نام مبارک
 کا بھی کوئی جوڑ رہا ہو۔ اگر بعض روایات کی بنیاد پر یہی
 لیں تب بھی یہ محض ایک خیالی بات ہوگی جسے عقائد اور عقیدت
 کے میزان میں کوئی وزن حاصل نہیں ہو سکتا۔

بعض انبیاء کا بعض انبیاء سے بلند مرتبہ ہو نا بھی
 قرآن ہی سے ثابت ہے اور یہ بھی قرآن ہی سے ثابت ہے

اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے یہاں بلالیا وغیر ذلک۔ لیکن جہاں تک مصداق اور مفہوم و منشاء کا تعلق ہے "موت" کے سوا اور کچھ نہیں اور موت جس محسوس و مرئی واقعے کا نام ہے وہ ہر دلی، ہرنزی اور ہرغیر کے لئے بھی اسی طرح مقدر ہے جس طرح عام انسانوں کے لئے۔ اب اگر کوئی فرد یا گروہ پردے اور وصال جیسے الفاظ محض نشا تئسکی اور تہذیب کے طور پر استعمال نہیں کرتا بلکہ ان کا مفہوم و منشاء ہی وہ "موت" کے سوا کچھ اور لیتا ہے تو ظاہر ہے کہ میں یہ تکہ خیز اور لایعنی بات ہے۔

آپ کے شہر میں گورنر صاحب آئے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں دن ہمارے شہر میں گورنر صاحب تشریف لائے۔ یا گورنر صاحب نے قدم رنج فرمایا۔ یا گورنر صاحب نے اہل شہر کو اپنے قدم سینت لڑوم سے نوازا۔ ان کی آمد کو ان الفاظ میں بیان کرنا ثابت کرے گا کہ آپ کے دل میں گورنر کی عزت اور رعب ہے۔ لیکن کیا ان الفاظ سے ان کے "آنے" کی حقیقت بھی بدل جائے گی۔ کیا یہ بھی تصور کیا جاسکے گا کہ آنا کوئی اور چیز ہے اور تشریف آوری کوئی اور شے؟

اگر نہیں۔ اور یقیناً نہیں تو قرآن، سنت اور اونچے درجے کے اہل علم کے ارشادات قطعی طور پر ثابت کرتے ہیں کہ ذی روح جسم کے بے حس و حرکت ہو جانے کے جس محسوس و مرئی واقعے کا نام "موت" ہے وہ انبیاء و رسل کو بھی اسی طرح پیش آتا رہا ہے جس طرح دوسری مخلوق کو۔ پردہ یا وصال یا رحلت یا کوئی اور لفظ استعمال کرنے سے نفس واقعہ اور حقیقت میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

انبیاء کے معاملے میں یہ استثناء ضرور ہے کہ بعض روایات کے مطابق انہیں "حیات قبر" حاصل ہے۔ مگر یہ استثناء اس مہل اور بے بنیاد موقف کے لئے ذرا بھی مفید نہیں جو بریلویوں کے منسوب ہے اور بعض دیوبندیوں نے بھی اسے اختیار کیا ہے۔ "حیات قبر" یہ دنیاوی حیات تو بہر حال نہیں ہو سکتی جس سے ہم انسانوں کو واسطہ ہے اور یہ انبیاء علیہم السلام کو اگر حاصل بھی ہوئی ہے تو اس مرحلے سے گذرنے کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے جسے "موت" کہتے ہیں۔ رہے ولی۔ تو دلالت اول تو کوئی نبوت جیسی چیز نہیں

نبی کے نسبتاً معمولی معجزے سے ہے۔ اسی طرح حضور کی ذات بجائے خود چاہے کسی ہی افضل و برتر ہو لیکن مختلف اوقات میں مختلف انبیاء و رسل کے معجزوں کی علت اور وسیلہ و سبب اس ذات کو قرار دینا محض نکتہ سنجی ہے نہ کوئی فلسفہ اور کائناتی حقائق سے اس کا کوئی ربط نہیں۔

مقامات تبرک میں نماز پڑھنا ہم بھی موجب برکت سمجھتے ہیں لیکن جب یہ عمل ایک اجتماعی رسم اور عام شعار کی شکل اختیار کر جائے تو اسے بدعت کہیں گے۔

جس درخت کو حضرت عمرؓ نے کٹوایا اس کے نیچے خاصا ہنرگامہ ہونے لگا تھا اور اندیشہ تھا کہ عقیدت مندی کی یہ روش غلو تک نہ پہنچا دے اسی لئے فرات سے حضرت عمرؓ نے درخت کٹوایا۔ انہیں حضورؐ سے جہت تھی مگر اللہ کے لئے اور اللہ ہی کے واسطے سے۔ اللہ کے دین میں جس عمل یا عقیدے سے اختلال و التباس پیدا ہوا ہے برداشت نہیں کر سکتے تھے چاہے اس کا برداشت نہ کرنا بظاہر ہی شبہ پیدا کرنے والا ہو کہ انہیں حضورؐ سے گہری عقیدت نہیں تھی۔ آپ دیکھ ہی لیجئے۔ آج کیا کچھ قیامت برپا نہ ہو جائے اگر ہم کسی معمولی سے بزرگ کے آثار پر تیشہ چلا دیں۔ مگر حضرت عمرؓ نے تو اس درخت پر تیشہ چلا دیا جس کی برکت کا جوڑ دینا کے سبب بابرکت انسان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے تھا۔ اس عمل پر اس نے ان کے مسلمان شد و مد سے معترض ہو سکتے تھے اگرچہ رسولؐ کا وہی غلو آمیز اور فساد آلودہ انداز ان کے ذہنوں نے بھی اختیار کر لیا ہوتا جو آج کل عموماً اختیار کر لیا گیا ہے مگر وہ اس حماقت میں مبتلا کیسے ہو سکتے تھے کہ جہت رسولؐ کی رو میں خدا کی محبت اور اس کے دین کی تعلیمات کو بھی فراموش یا نظر انداز کر دیں۔

کسی پیغمبر یا ولی کی موت کا ذکر کرنا ہو تو سعادت مندی ہی ہے کہ الفاظ شائستہ انداز ادب آمیز اور لہجہ نیاز مند اختیار کیا جائے۔ مثلاً حضرت ابو بکرؓ کی موت کا تذکرہ کرنا ہو گا تو ہم کہیں گے کہ فلاں دن وہ واصل بہ حق ہوئے۔ یا فلاں روز وہ سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔ یا فلاں روز

یاسی مقامی تہذیب و ثقافت کا نام نہیں ہے۔ وہ تو ایک دین ہے آفاقی اور لیبٹ جو اصول و عقائد سے عبارت ہے۔ غلط عقیدہ درست نہیں مانا جاسکتا اگر اسے مولانا اشرف علی یا مولانا محمد قاسم یا شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ نے اختیار کر لیا ہو اور صحیح عقیدہ غلط نہیں ٹھہرا سکتا اگر وہ بریلی کے مولانا احمد رضا خاں صاحب یا کسی اور دیار کے کسی اور اہل علم کی طرف منسوب ہو۔ اللہ تعالیٰ علاقائی، گمراہی اور وطنی عصبیت سے محفوظ رکھے۔

حضور کے والدین

سوال ۶۶: از: مصطفیٰ خاں۔ احمد خاں۔ احمد آباد۔
آپ نے جنوری ۱۹۶۶ء کے تختی میں شہری جھانگہ کے بیٹا کا جواب دیتے ہوئے لکھا تھا کہ ہمارے نبی اکرمؐ بھی مشرک کے ٹھہر پیدا ہوئے تھے تو کیا آپ قرآن مجید سے ثابت کر سکتے ہیں کہ آیت کے والد والدہ اور دادا مشرک تھے۔ قرآن مجید کی آیت کہ میرہ سورۃ الفیل کی تفسیر سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے دادا ابو جد پر مرت تھے۔ اور سورۃ توبہ کے چودھویں رکوع کی ایک سوتیرہ نمبر کی آیت سے آپ کے چچا ابو طالب کا مشرک ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جب آپ نے ابو طالب کے لئے دعائے مغفرت مانگی تو یہ آیت نازل ہوئی ہم کسی نبی یا نیک بندے کو اجازت نہیں دیتے کہ وہ مشرکوں کے لئے دعائے مغفرت مانگے۔

آپ کے چچا ابو کہب کے متعلق سورۃ لہب نازل ہوئی۔ اس سے صاف ظاہر ہے وہ مشرک بھی تھے اور آپ کو کافی پریشان بھی کرتے تھے۔ ہم آپ کی تو جس اس حدیث کی طرف بے جانا چاہتے ہیں۔ حدیث نبی اکرمؐ نے فرمایا مجھے میرے رب کے پاک روح سے پیدا کیا اور آپ کا سلسلہ حضرت ابراہیمؑ سے چلا آتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ سے لیکر حضرت عبداللہؑ تک دس نسلیں ہوتی ہیں اور یہ سب روحیں پاک تھیں اس لئے ہم نماز میں دعائے ابراہیم میں خدا سے دعا مانگتے ہیں۔ لے اللہ ہمارے نبی اکرمؐ پر اور ان کی

جسے کسی شخص کی طرف یقین کے ساتھ منسوب کیا جاسکے۔ حضرت عیسیٰ یا موسیٰ یا یوحنا نبی تھے اس پر ہم سب قسم کھا سکتے ہیں لیکن مولانا اشرف علی یا مولانا حسین احمد یا مولانا احمد رضا خاں نبی تھے اس کی قسم نہیں کھائی جاسکتی۔ دوسرے جن لوگوں کو نبی جاتا ہے ان کے بارے میں یہ تصور کر لینا کہ ان کی موت عاق آدمیوں کی موت سے جدا کوئی شے ہے ایک من گھڑت اور جاننا نہ خیال ہے جس کے لئے عقل و نقل میں کوئی بنیاد نہیں۔ قرآن و حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تک کے لئے "موت" کا لفظ استعمال کرتا ہے اور قرآن کی زبان فلسفے یا تصوف یا طلسم و اسرار کی زبان نہیں وہ عام فہم اور با محاورہ زبان ہے جسے "ان مبین" کہتے ہیں۔ جن لوگوں کے درمیان قرآن نازل ہوا وہ "موت" کا بس ایک ہی مطلب اور مصداق جانتے تھے۔ وہی جو ازل سے آج تک معروف ہے۔ اسی لئے حضورؐ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے غم رسیدہ اور دل گرفتہ اصحاب کے سامنے تقریر کرتے ہوئے صاف صاف کہا تھا کہ جو لوگ محمدؐ کو پوجتے تھے وہ سن لیں کہ محمدؐ تو مر چکے اور جو لوگ اللہ کو پوجتے ہیں انھیں ما پوس نہ ہونا چاہیے کہ اللہ واحد و قیوم تو زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔

عرض یہ تمہیل تو ذمہ منوں کی غلط روی اور مبالغہ پسندی نے بعد میں پیدا کیا ہے کہ انبیاء و اولیاء مرتے نہیں ہیں پردہ کہ لیتے ہیں۔ اور یہ باطل عقیدہ تو بہت ہی بعد کی پیداوار ہے کہ مردہ بزرگوں کو اسی طرح مدد کے لئے پکارا جس طرح زندوں کو پکارا جاتا ہے۔

آخر میں ہم اتنا ہی نہیں گئے کہ فساد خیال چہا بریلویوں میں ہے وہیں ہم دیوبندی بھی ٹیکر پا کر امن نہیں ہیں اور ہمارے یہاں بھی بہترے غلط اور نا صاف زاویے داخلہ پا گئے ہیں۔ کسوی ہر حال میں قرآن و سنت ہی کو سمجھے وہ جو فیصلہ دیں پھر یہ پروا مت کیجئے کہ زرد بریلویوں پر پڑتی ہے یا دیوبندیوں پر۔ اسلام کسی علاقائی رسم و رواج

مردہ آباء و اجداد کے لئے دعائے مغفرت کرنا چاہتے تھے۔ لہذا قطیعت کے ساتھ یہ کہنا کہ یہ ابوطالب کے سلسلے میں اُتری ہے نادرست ہے۔

رہا حضورؐ کا یہ شرنا کہ ”مجھے میرے رب نے پاک روح سے پیدا کیا“۔ تو جناب اس حدیث کے لئے کوئی حوالہ پیش نہیں فرمایا حالانکہ جب اپنے سوال کے خاتمے پر آپؐ نے ہمیں تنبیہ کی ہے کہ ضعیف حدیثوں کا سہارا نہ لیجئے۔ تو خود آپؐ کو اتنا محتاط ضرور ہونا چاہیے تھا کہ اپنے بیان کی وہ مضمون حدیث کا ٹھیک ٹھیک حوالہ دیتے۔

چلئے مان لیا کہ حضورؐ نے ایسا فرمایا ہوگا لیکن کیا آپ قرآن ہی میں نہیں دیکھتے کہ ”روح کا لفظ کن کن معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ ہم تفصیل میں جاتے مگر چونکہ یہ بحث ہمیں پسند نہیں اس لئے اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ روح کا لفظ قرآن میں ہمیں سے بھی زائد بار استعمال ہوا ہوگا۔ آپ چند مقامات کا بغور مطالعہ فرمائیں تب آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ روح سے مراد سلسلہ نسب اور نطفہ اور لہو کا رشتہ نہیں ہوا تو بالکل اس مفہوم میں تو وہ قرآن نے استعمال ہی نہیں کیا پھر یہ کیسے دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ حضورؐ کے مذکورہ قول میں روح کی پاکیزگی سے مراد حسب و نسب کی وہ پاکیزگی ہوگی جو نجاست کفر کی ضد ہے۔

ایک اور طریقہ یہ ہے کہ اگر پاک روح سے پیدا ہونے کا مطلب لازماً یہ ہو کہ پیدا ہونے والے کے والدین مشترک نہیں تھے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کیا کہیں گے جو مسئلہ طور پر ایک جہت پرست (آذری) کے بیٹے تھے۔ آپ کی منطق سے تو ان کی پیدائش ناپاک روح سے مانتی پڑے گی!۔ فرمائیے کیا ارشاد ہے؟ حضرت ابراہیم معمولی انسان تو نہیں تھے۔ وہ خاص الخاص پیغمبروں کی صف میں ہیں اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ملت کو انھی سے منسوب فرماتے ہیں اگر ان کا ایک مشرک کی اولاد ہونا یا معنی نہیں رکھنا کہ مشرک کی ناپاکی کا کوئی حصہ خود ان کی روح کا داغ بن گیا اور انکی عظمت و رفعت مجرد ہو گئی تو حضورؐ کے والدین کو مشرک مان لینے سے حضورؐ کی عظمت و رفعت اور تقدیس و پاکیزگی پر کیا حرف لے سکتا ہے

آل پر رحمت نازل فرما جیسے تو نے رحمت نازل فرمائی ابراہیمؑ پر اور ان کی آل پر۔ تو برنوعز باللہ۔ اگر وہ روحیں ناپاک ہوتیں تو ہم کیسے دعائیں کہتے کہ جیسے تو نے رحمت نازل فرمائی ابراہیمؑ پر اور ان کی آل پر ہمارا یہ عقیدہ اور ایمان ہے۔ خدا کی رحمت صرف ایمان والوں پر نازل ہوتی ہے مشرکوں پر اس کا عذاب ہی نازل ہوتا ہے۔ رہا سوال آپؐ کے والد والدہ اور دادا کا آپؐ کی نبوت پر ایمان لانے کا وہ تو دنیا جانتی ہے کہ آپؐ کے والد آپؐ کی ولادت کے چھ ماہ قبل انتقال فرما گئے تھے آپؐ کی والدہ کا بھی آپؐ کے بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تھا اور آپؐ کے دادا بھی نبوت سے پہلے ہی انتقال فرما گئے تھے۔

(نوٹ) اس سوال کا جواب بذریعہ تجلی قرآن شریف کے حوالے سے دیدہ جئے۔ منطق اور ضعیف حدیثوں کا سہارا نہ لیجئے۔

جواب :-

ہمیں ہرگز اس سے دلچسپی نہیں ہے کہ حضورؐ کے والدین کے مشرک پر اصرار کریں۔ ہمارے نزدیک تو اس بحث میں پڑنا ہی احتیاط کے خلاف ہے۔ لیکن جس خاص موقع پر ہم نے اس کا تذکرہ کیا تھا وہاں بجا طور پر اس کا محل تھا اور ہم نے امت مسلمہ کی طرف سے دفاع کا فریضہ ادا کرتے ہوئے بطور استدلال وہ بات کہی تھی جس پر آپؐ معترض ہو رہے ہیں اب اعتراض ہی کیا گیا ہے تو بادل ناخواستہ جواب بھی پیش کرتے ہیں۔

سورہ توبہ کی متذکرہ آیت کے بارے میں آپ کا یہ دعویٰ درست نہیں ہے کہ وہ لازماً ابوطالب کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے۔ بے شک بعض مفسرین اسے کہتے ہیں مگر بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ یہ حضورؐ کی والدہ آمنہ کے سلسلے میں اُتری پھر وائیں اور زیادہ قرین صحت ہو جاتی ہیں جب ہم حدیث میں دیکھتے ہیں کہ حضورؐ نے اللہ تعالیٰ سے اپنے والدین کے لئے دعائے مغفرت کی اجازت چاہی تھی مگر اجازت نہیں دی گئی۔ بعض مفسرین نے نقل کیا ہے کہ یہ آیت کسی متعین شخص کے سلسلے میں نہیں بلکہ عام مسلمانوں کے سلسلے میں اُتری ہے جو اپنے

حضرت نوحؑ کا بیٹا کافر تھا۔ روح سے مراد اگر نسب اور لطف ہی ہو تو کیسے ممکن ہو کہ اتنے بڑے پیغمبر کی پاکیزہ روح سے بیٹا پاک وجود ظہور میں آگیا۔! روح اور چیز ہے اور نہ رب منقطع اور۔۔۔ روح کی سعادت و نحوست اور پاکیزگی و ناپاکی کا تعلق حسب و نسب سے نہیں ورنہ ولی کے گھر شیطان اور بدکاروں کے صلب سے نکو کار کبھی پیدا نہ ہوتے۔

آل ابراہیم کا مطلب بھی اپنے غلط سمجھا۔ ہر اہل علم جانتا ہے کہ آل سے مراد ہمیشہ خاندانی اور نبی سلسلہ نہیں ہو کرتا بلکہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو کسی کے اسوے کی پیروی کریں یا انداز فکر اور عقائد و نظریات میں مماثلت رکھتے ہوں۔ قرآن میں جہاں جہاں آل فرعون کا ذکر آیا ہے ملا خطہ فرمایا ہے کہ پروان فرعون ہی مراد ہیں نہ کہ اس کے رشتہ دار۔ دعلیٰ ابراہیمی میں بھی آل سے مراد ہی لوگ ہیں جنہوں نے ابراہیمی دعوت کو قبول کیا۔ حتیٰ پرست بنے۔ نکو کاری کی زندگی گذاری۔ وہ لوگ ہرگز مراد نہیں ہیں جن کا سلسلہ نسب کسی نہ کسی پشت میں حضرت ابراہیم سے جالمتا ہو جو وہ و کافر ہی رہے ہوں۔

تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ حضورؐ کی بعثت جس زمانے میں ہوئی وہ زمانہ ایسا ہی تھا کہ پچھلے کسی بھی پیغمبر کی تعلیمات محفوظ نہیں رہی تھیں۔ توحید نایاب تھی۔ اخلاقی قدر و نکی ہر آسمانی بنیاد جہالت کے انبار میں دب چکی تھی۔ بت پرستی، مظاہر پرستی اور الابلا پرستی کے سوا کوئی روشنی کوئی ہدایت کوئی صراطِ مستقیم نظر نہیں آتی تھی۔ یہ صرف مورخین ہی کا بیان نہیں بلکہ آثار و احادیث اس پر شاہد عدل ہیں۔ پچھلے یہ دعویٰ کیسے کیا جاسکتا ہے کہ حضورؐ کے والدین اس ماحول میں توحید پرست رہے ہوں گے۔ سورۃ البقرہ سے حضورؐ کے دادا کا توحید پرست ہونا ثابت ہوتا ہے یہ بھی درست نہیں۔ معلوم ہوتا ہے آپؐ ”توحید پرست“ اس معنی میں بول رہے ہیں کہ خدا کا وجود مان لیا جائے۔ یہ بات ہے تو بیشک عبدالمطلب موجود تھے کیونکہ ابراہیم کے حملے کے وقت وہی کعبہ کے بڑے منبوتی تھے اور کعبہ کو خدا ہی کا گھر سمجھتے اور کہتے تھے۔ لیکن

صرف اتنا مان لینے سے کوئی شخص زمرہ مشرکین سے خارج ہو جاتا ہے یہ ہم نہیں مانتے۔ قرآن تو متعدد مقامات پر خود ہی تصریح کرتا ہے کہ مشرکین خدا کو مانتے ہیں۔ اس کی بعض صفات کے بھی قائل ہیں۔ مگر پھر بھی مشرک ہے باز نہیں آتے۔ اس معلوم ہوا کہ خدا کو فقط مان لینا وہ ”توحید پرستی“ نہیں ہے اسلام کی اصطلاح میں توحید پرستی کہا جاتا ہے۔ اگر ہم غلط کہہ رہے ہیں تو آپ علمائے سلف میں سے کسی ایک کا نام تو لیجئے جس نے حضورؐ کے دادا عبدالمطلب کو ”توحید پرستوں“ میں شمار کیا ہو۔ خدا کو یہود و نصاریٰ بھی مانتے ہیں۔ اکثر اہل ہنود بھی مانتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض اہل ہنود کو تو مسلمانوں تک کے مقابلے میں اپنی توحید پرستی کا غرہ ہے لیکن کون ہر شمسند مسلمان ہو گا جو ان کے مشرک میں مذہب ہو اور ان کو توحید پرست کہنا جائزہ قرار دے۔ حضورؐ کے والدین کو یومین اور سخن نجات ثابت کرنے کے سلسلے میں بعض علمائے سلف نے متعدد مقالے اور رسالے سپرد قلم کئے ہیں۔ لہذا آپ بھی کسی دلیل سے ان کی رائے کو درست سمجھنے لگیں تو یہیں اس پر اعتراض نہیں لیکن جو دلائل فی الحال آپ نے پیش کئے وہ تو قطعاً ناکافی ہیں اور ہمارے اس خیال میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا کہ حضورؐ کے والدین کو اہل ایمان میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ الگ بات ہے۔ اور اسے ایک بار ہم نے انھی صفحات میں لکھا بھی ہے کہ ان کے کفر و ایمان کی بحث فقط ایک اصولی اور قانونی بحث ہے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انھیں مشرک مان کر ہم ان کا جہنمی ہونا ثابت کر رہے ہیں۔ جہنم یقیناً مشرکوں کا ٹھکانا ہے۔ لیکن خدا سے کہ ہم نے یہ بھی تو بتایا ہے کہ ہم تمام حجت کے بغیر کسی کو سزا نہیں دیتے اور ہر قوم میں نبی بھیجا ہماری سنت ہے تاکہ بندے لاعلمی اور معذوری کی حالت میں تباہ نہ ہوں اب یہ تو خدا ہی کو معلوم ہے کہ حضورؐ کے والدین پر وہ حجت تمام ہو سکی تھی یا نہیں جو سزا و جزا اور محاسبے کی بنیاد ہوا کرتی ہے۔ اگر نہیں ہوئی تھی تو عجب نہیں کہ رؤف و رحیم خدا لاعلمی اور بے خبری کا عذر قبول فرما کر انھیں بخش ہی دے۔

ریا کاری

سوال :- ازب۔ محمد عثمان۔ حیدرآباد (آندھرا پردیش)
ابو الحسنات حضرت عبداللہ صاحب قبلہؒ نے اپنی
تصنیف مواظظ حسنہ میں یہ حکایت درج فرمائی ہے کہ ایک
دفعتہ کسی حاجی کے مکان میں ایک ہمان آیا۔ جب اس نے
بٹنے کے لئے پانی مانگا تو حاجی صاحب نے اپنے ہمان کے سامنے
توکر کو حکم دیا کہ وہ ہمان کو اُس کٹورے میں پانی پلائے جو اٹھو
نے دوسرے حج کے موقع پر خریدنا تھا۔ اس سے حاجی صاحب
کا مقصود یہ تھا کہ وہ اپنے دوسرے حج کا ہمان کے سامنے
اظہار کریں۔ چنانچہ حضرت قبلہؒ نے اُس شخص کے اس فعل کو
ریا کاری بتلایا ہے جس کی وجہ سے اُس کے دونوں حج کا ثواب
ضائع ہو گیا۔

حاجی اگر خط و کتابت میں تقریبات کے رقعہ جات
میں نیز کاروباری دکانات کے سامن پور ڈپر اپنے نام سے
قبل حاجی یا الحاج کا اضافہ کریں جب کہ اُس سے بانٹھوں
یہ مقصود ہو کہ وہ عام طور پر دنیا میں نیک نام معروف ہوں
یا دنیاوی کاروبار تجارت میں دیانت دار مشہور ہو کر تجارتی
منفعت ہو یا سماج میں عزت ہو کر معاشرتی فائدہ ہو تو کیا
حاجیوں کا یہ عمل ریا کاری کی تعریف میں آتا ہے اگر چہ کچھ
نے خلوص دل سے حج کیا ہو۔

بعض لوگ حج کے بعد ایک خاص قسم کی وضع قطع
اختیار کر لیتے ہیں جس کا مقصد اُن کے حج کی تشہیر ہو کر اُن کے
تعلق سے لوگوں میں حسن ظن قائم ہو جس کی وجہ سے اُنکی نیک
نامی ظاہر ہو کر معاشرتی اور کاروباری فوائد حاصل ہوں۔
معاشرتی فائدہ سے میری مراد یہ ہے کہ بیٹے بیٹیوں کے شادی
بیاہ کے معاملات باآسانی طے ہوں، کیا حاجی کا یہ فعل
بھی ریا کاری میں داخل ہو گا لوگ عموماً عمر کے آخری
حصہ میں جب کہ وہ وظیفہ (پینشن) پر علیحدہ ہو جاتے ہیں
تو حج کرتے ہیں کیا حج آخری عمر میں واجب ہے۔
جس طرح شرک اور بدعات مسلمانوں کے اعمال میں

چوردروازے سے داخل ہوتے ہیں اور لوگوں سے یہ گناہ
اس غلط فہمی میں مبتلا رہ کر سرزد ہو جاتے ہیں کہ وہ ایک
نیک عمل کر رہے ہیں اور وہ راہ راست پر ہیں۔ اسی طرح
عام طور پر مسلمان حج کرنے کے بعد اس خوش فہمی میں کہ وہ
حاجی ہیں۔ ریا کاری جیسے مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں اگر
شخصی طور پر اس امر کی ان پر وضاحت کی جاتی ہے تو اسکے
نقصانات یا اہمیت کا صحیح اندازہ نہ ہونے کی وجہ سے
اس کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔

ان حالات میں قرآن اور احادیث کی روشنی میں ریا
کاری کی صحیح تعریف کرتے ہوئے مندرجہ بالا حقائق پر بحیثیت
ایک عمومی مسئلے کے تبصرہ کیجئے۔ اس تبصرے کو آپ تجلی کے
آئندہ شمارے میں شائع کریں تو احسن ہے۔

جواب :-

شاید ہی کوئی صاحب علم مسلمان ہو جس نے یہ حدیث
نہ سنی ہو کہ "الاعمال بالنیات" اعمال کا مدار نیتوں
پر ہے۔ مشکوٰۃ باب الزیاع والسمعة میں سب سے پہلی
ہی حدیث صحیح مسلم سے یہ نقل کی گئی ہے :-

"اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مال مثال
کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تمہارے اعمال اور تمہاری
نیتوں کو دیکھتا ہے۔"

کسی بھی نیک عمل کے چھپے اگر نیت صرف یہ ہے کہ
خدا خوش ہو۔ آخرت کی سزا سے جان بچی رہے۔ ایمان
اسلام کے تقاضے پورے ہوں اور ہمارا نام اطاعت شعار
بندوں میں لکھا جائے تب تو یہ عمل یقیناً مفید ہو گا۔ اسے
عبادت و اطاعت کے خانے میں لکھا جائے گا اور دینی نیا
میں اس کا اجر ملے گا۔ لیکن اگر نیت یہ ہو کہ ہمارے اس
عمل نیک کو لوگ دیکھیں اور تعریف کریں۔ یا یہ کہ ہم اپنے
آپ کو نیکو ثابت کر کے فلاں فلاں دنیاوی مفادات
حاصل کریں تو اسے ریا کاری کہیں گے۔ ریا کے مختلف درجے
ہیں۔ کبھی تو آدمی خالصتہً دنیا دکھاوے کو کوئی نیک کام کرتا
ہے۔ یہ ریا کا بدترین درجہ ہے۔ کبھی دنیا دکھاوے کے

ہیں ہے کہ لوگ انھیں حاجی کہیں انھیں بھی دوسرے لوگ التزام کے ساتھ حاجی کہنے اور لکھنے لگتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ عامۃ المسلمین یہ سمجھنے لگے ہیں کہ حاجی کو حاجی کہنا اور لکھنا بھی دین و شریعت ہی کا کوئی حکم ہے۔ بس پھر مولانا بخش اور اللہ دیا بھی اپنے بورڈ پر ”حاجی“ کیوں نہ لکھو ایسے اور نمود و نہان کا دروازہ بڑے سے بڑا کیوں نہ ہوتا جائے۔

حج کی فرضیت کا عمر سے کوئی تعلق نہیں۔ بلوغ کے پہلے دن بھی اگر کسی کے پاس اتنا فاضل مال ہے جو حج کو کفایت کرتا ہے اور کوئی شرعی عذر بھی موجود نہیں تو اس پر حج فرض ہو گیا آخری عمر میں حج لوگ اس لئے نہیں کرتے کہ جو انی میں وہ فرض نہیں تھا بلکہ دنیا سے رغبت اور دین سے بے رغبتی اس کی بنیاد ہے۔ ایک حج ہی کیا۔ دین و شریعت کے تمام ہی کاموں میں ہم مسلمانوں کا حال عموماً یہ ہو گیا ہے کہ جو انی کی ساری توانائیاں تو ہم حصول دنیا کی جدوجہد میں کھاتے ہیں۔ قوت و صحت کا سارا خزانہ امور دنیا پر لٹا دیتے ہیں۔ پھر جب قوتیں شل ہو جاتی ہیں۔ صحت جواب لے جاتی ہے۔ ہڈیاں دکھنے لگتی ہیں تب ہمیں خیال آتا ہے کہ اب تو چل چلاؤ کی تیار ہے لاؤ کچھ آخرت کے لئے بھی کر لو۔

مگر واویلا! اب تو ایسے لوگ بھی کم سے کم تر ہوتے جا رہے ہیں جنہیں بڑھاپے ہی میں آخرت کا خیال ستانے لگے۔ عام حالت یہ ہو گئی ہے کہ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں مگر حساب آخرت کا کوئی تصور ذہن میں نہیں۔ برائے ناگ سا تصور آیا تو کچھ نقلیں اور وظیفے پڑھ لے مگر یہ خیال ہرگز نہیں آئے گا کہ جو جانا احرام مال سے بنائی ہے اسے غربا کے حوالے کر دیں۔ جو زمین بے ایمانی سے قبضاتی ہے اسے مستحقین کو لوٹا دیں۔ جن جن لوگوں پر کسی بھی نوع کا ظلم کیا ہے ان سے معافی مانگیں۔ بعض لوگوں کو اگر قصداً پہنچایا ہے تو اس کی تلافی کریں وغیر ذلک۔ ہم تو یقین جانتے اپنے آس پاس ہی اس قسم کے مناظر دیکھ رہے ہیں کہ سود خوری تو چھوڑیں گے نہیں ہاں بعد نماز دو نقلیں اور چند تصبیحیں ضرور پڑھ لیں گے۔ پڑوسی کی بدخواہی تو برابر جاری رہے گی البتہ کرنے کی نیچائی اور پانچوں کی اوچائی کچھ اور زیادہ کر لیں گے۔

ساتھ ساتھ حکم شریعت کی بجا آوری کا قصد بھی ذہن میں موجود ہوتا ہے۔ یہ ریا کچھ ہلکا دھبہ ہے۔ کبھی نیت تصرف اطاعت ہی کی ہوتی ہے مگر بعد میں اپنی تعریف یا کسی دنیاوی فائدے کی خاطر آدمی اپنی اس اطاعت شکاری کو دنیا کی نگاہوں میں لانے کی ترکیبیں کرتا ہے۔ یہ بھی ریا کاری ہی کی ایک قسم ہے۔

ریا کو حضور نے مشرک اصغر فرمایا ہے۔ مشرک سے بڑتر گناہ کوئی نہیں لہذا اکبر و اصغر ہر طرح کے مشرک سے اسی طرح بچنا چاہیے جس طرح زہر سے بچا جاتا ہے۔ ریا کے نقصان عظیم اور اس کی ناپاکی کا پورا اندازہ کرنا ہوتو مشکوٰۃ کا باب الریاء والسعۃ پڑھ لیں۔

حکایات کے ذریعے پندرہ وعظ اور اخلاقی تعلیم دینا بہتیرے بزرگوں کا شیوہ رہا ہے۔ دراصل حکایت اور کہانی سے بات دل و دماغ میں اچھی طرح بیٹھ جاتی ہے حضرت عبداللہ صاحب حج کی بیان فرمودہ حکایت ریا کی اس قسم کو سمجھا رہی ہے جس میں کسی نیک عمل کو انجام دیتے وقت تو مسلمان کی نیت دکھاؤ کی نہیں ہوتی مگر بعد میں وہ اسکی نمائش اور چہر چاکرتا ہے۔ یہ بعد کی حرکت بھی اس کے سابقہ عمل کو ریا کے شعلوں میں بھسم کر دیتی ہے۔ ٹھیک فرمایا کہ حاجی مذکور کے دونوں حجوں کا ثواب ضائع ہو گیا۔ ثواب ملنا یا ضائع ہونا اگرچہ مخفی بات ہے اور کوئی بھی نہیں جان سکتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کن بندوں کے کون کون سے اعمال قبول فرما رہا ہے اور کون سے رد کر رہا ہے لیکن قرآن و حدیث میں اعمال کے قبول و رد کے جو پہلے اور آثار و شواہد مصرح کئے گئے ہیں انکی بنیاد پر اہل علم کا یہ فیصلہ دنیا بالکل بجا ہو گا کہ فلاں عمل مردود ہے اور فلاں مقبول۔

خود کو الحاج اور حاجی لکھنے کی رسم اس قدر چل گئی ہے کہ اچھے اچھے نیکو کار اس سے بچے ہوئے نہیں حالانکہ اس لقب کو اپنے ساتھ ٹانگنا ریا کاری ہی کے قبیل سے ہے۔ مصیبت ایک اور ہے۔ جو محتاط علماء و مشائخ باوجود حاجی ہونے کے خود کو حاجی نہیں لکھتے اور قلب میں بھی ان کے یہ خواہش موجود

نہیں ہوتی۔ دوسری طرف روٹی ہی کے کام میں سرورس مل سکتی ہے جس سے سیزن میں پچاس ہزار روپے تک مل جائیں گے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ جس فرم میں سیزن کروں گا وہ فرم بھی سودی کاروبار کرتی ہے۔ روٹی کا کاروبار کرنے والے بنک کے اشتراک کے بغیر اس کام کو انجام نہیں دے سکتے۔ اگرچہ میں خود نہ سود لینا ہوں نہ سودی کاروبار چلاتا ہوں۔ مگر شریعت میں سود لینے والے دینے والے یا لکھنے والے کے لئے کوئی حد اگانہ قانون تو نہیں ہے۔ لہذا میں تذبذب میں ہوں کہ کیا کروں۔ براہ کرم آپ میری رہنمائی فرمائیے کہ ان حالات میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟

جواب :-

ہر تہذیب اپنے ساتھ کچھ افکار کچھ قدیریں، کچھ معیار کچھ اصول و ضوابط اور کچھ زاویے ضرور لاتی ہے۔ لہذا جب آج کی دنیا نے مغربی تہذیب کو سینے سے لگا ہی لیا ہے تو پھر اسے وہ سب کچھ بھی طوعاً و کرہاً قبول کرنا ہوگا جو اس تہذیب کے لوازمات میں سے ہے۔ اسلام اور تہذیب نوبی میں بنیادی تضاد ہے۔ اصولی اور جوہری تضاد ہے۔ ایسا دو لوگ تناقض اور نزاع ہے جس میں مفاہمت و مصالحت کی کوئی صورت نہیں لہذا اس تہذیب نوبی کے ساتھ اقتدار میں رہنے والوں کے لئے بس دو ہی راہیں ہیں جن سے مفر نہیں یا تو وہ عیش دنیا کی خاطر اسلام کو بھول جائیں۔ یا پھر اسلام کی خاطر اس تہذیب سے طرد لیں۔ اسلام کو بھول جانے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کلمہ پڑھنا چھوڑ دیں یا نماز روزے کو طاق میں رکھ دیں یا معاشرت کے بعض باقی ماندہ اسلامی طریقوں سے دستکش ہو جائیں۔ یہ سب تو اپنی رسمی شکل میں جاری رہنا ہی ہے اور برا بھلا جاری رہے گا ہی۔ مگر یہ اسلام نہیں ہے جس سے مغربی تہذیب متضاد ہے۔ یہ وہ اسلام نہیں ہے۔ نکل کے صحرا سے جس نے روم کی سلطنت کو اٹل دیا تھا۔ یہ وہ اسلام نہیں ہے جس کے بارے میں لاکھ لاکھ کہا گیا تھا کہ الحق یعلیٰ ولا یعلیٰ۔ حق تو غالب و سر بلند ہی ہونے کے لئے ہے نہ کہ مغلوب و زیر دست! یہ وہ اسلام نہیں ہے جو

خلاصہ جواب یہ ہے کہ حج بس وہی ہے جو نام و نمود کی خواہش سے کبیرا لاترہہ کہ حکم شریعت کی بجا آوری کے لئے کیا جائے اور کرنے کے بعد کبھی اس سے کوئی دنیاوی فائدہ اٹھانے کی کوشش نہ کی جائے۔ ہاں۔ اگر اس سے کوئی فائدہ آپ کی نیت اور کوشش کے بغیر پہنچتا ہے تو اس میں کوئی خرابی نہیں بلکہ یہ انعام خداوندی ہے۔ مثلاً آپ کے حج کیا۔ لوگوں کے دل میں آپ کی کچھ عزت بڑھی۔ اعتماد بڑھا۔ حسن ظن بڑھا۔ یہ سب فائدہ ہی ہے۔ لیکن اس فائدے سے آپ کے اخروی ثواب میں کمی نہیں آئے گی کیونکہ اس کے حصول میں آپ کی نیت اور ارادے کو دخل نہیں۔

سودی کاروبار

سوال :- از۔ حاجی ولی محمد حاجی حیدر دیوبند جو بنوی اترقی میں روٹی کا کاروبار کرتا ہوں۔ انشاء اللہ اس سال روٹی کی ۲۱ گانٹھیں مل میں پرستگ ہوں گی۔ سیزن اکتوبر سے مارچ چھ ماہ تک ہے اور مال کی آمد اکتوبر سے دسمبر تک ہے۔ اس مدت میں سو اکر ڈروپے کا مال خرید کرنے کا انتظام کرنا ہوتا ہے۔ صاف بات یہ ہے کہ بنک سے لون لیکر اس کا سود ادا کرتا ہوں۔ موجودہ حالات میں بنک سے سودی قرضہ لئے بغیر کوئی تاجر اعلیٰ پیمانہ پر کاروبار نہیں چلا سکتا۔ اس چھ ماہ کی مدت میں اللہ تعالیٰ ہمارے خرچ سے کئی گنا زیادہ روزی دیدیتا ہے۔ اندازاً اس مدت میں دو لاکھ سے زیادہ کمالیتا ہوں۔ لیکن میری کمزوری کہہ لیجئے کہ اس رقم میں سے کچھ جمع نہیں کرتا ہوں۔ ویسے اسراف اور بیجا خرچ بھی ہمارے یہاں نہیں۔ اچھی خاصی رقم دینی کاموں میں بھی خرچ کرتا ہوں۔ آپ کو تعجب ہوگا کہ میرے گھر میں ریفریج، میو ٹر کار اور ریڈیو جیسی چیزیں بھی نہیں جو مجھ میں یا میرے بچوں میں عیاشی کا سبب بنیں چونکہ اس کاروبار میں سود ادا کرنا پڑتا ہے اس لئے میرا ضمیر اب اس کاروبار سے مطمئن نہیں ہے۔ میں ارادہ کرتا ہوں کہ اس کاروبار کو بند کر دوں اور کوئی دوسری لائن اختیار کروں مگر کام میں نے پوری زندگی طرے پیمانے پر کیا ہے اس لئے کسی چھوٹے موٹے کام کی ہمت

اسلام نے ممنوع قرار دیا ہے تو کیونکر قرین قیاس ہو سکتا ہے کہ ہمارا "دقیانوسی فتویٰ" آپ کے دماغ میں اُتے اور بڑے پیمانوں کا کاروبار کرتے کرتے آپ وہ چھوٹے چھوٹے کام کرنے لگیں جو بینک کے توسط سے بغیر کئے جاتے ہیں۔

ایک خاص دھنگ سے غور کریں تو شاید کوئی ذہنی انقلاب ہو۔ عیاشی کا آپ کو شوق نہیں۔ ریڈیو اور موٹر تک نہیں رکھتے پھر تو کوئی وجہ نہیں کہ آپ ہزار دو ہزار روپے ماہوار میں اپنے گھر کا کام چلانے جائیں۔ فرض کیجئے آپ کے ذمے میں افراد کی کفالت ہے۔ پھر بھی دو ہزار ماہوار بالکل کافی ہوں گے۔ دو لاکھ اگر سال بھر کی بھی آمدنی سمجھیں تو ماہوار سولہ ہزار سے زیادہ بنتے ہیں۔ استغفر اللہ۔ اتنے روپوں کا کیا کرنا ہے جب عیاشی سے کوئی دلچسپی نہیں۔ دینی کاموں میں خرچ کرنا بہت عمدہ بات ہے لیکن جو مال سود جیسے حرام سے وابستہ رہ کر حاصل ہو رہا ہے اس کا اتفاق بھلا ثواب کیسے لے گا اور ثواب نہ دیا تو حال اس کے سو کیا رہے گا کہ سود سے وابستگی کا جرم تو فرد عمل میں لقمش کا لہجہ ہو جائے اور جرم کا نفع کچھ ملے نہیں۔ خود آپ ہی کہتے ہیں کہ موجودہ کاروبار میں اپنے خرچ سے کئی گنا زیادہ آپ کو مل رہا ہے پھر تنہا کیا ادنیٰ درجے میں بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ کاروبار معاشی مجبوری کے زمرے میں ہے!

اگر خوش قسمتی سے اپنے ناپاک اور دھواں دھواں ماحول میں بھی آپ کا ضمیر جاگے اور اُبھرنے کی کوشش کر رہا ہے تو ہر اس کاروبار اور ملازمت سے دُور رہنے کا عزم کر لیجئے جس میں سود لینے یا دینے کا چکر ہو۔ عزم کرنے والے کیلئے حلال کی راہیں بند نہیں۔ آزمائشیں ضرور آ سکتی ہیں مگر جنت اور آخرت کی بغیر اگر آپ کے نزدیک مٹی کنکر نہیں ہیں تو کیا خرچ ہے کہ آزمائشوں سے بھی گزرے۔

فرض کیجئے۔ حکومت آپ کو یہ نوٹس بھیجے کہ باوجود موجودہ کاروبار چھوڑ دو ورنہ کسی بھی وقت ہم تمہیں پکڑوا بلائیں گے اور لوہا گرم کر کے تمہارے سینے اور کمر اور رخساروں کو داغیں گے تو ایسا انداز ہی سے کہتے کیا پہلے ہی دن آپ یہ کاروبار ترک نہیں فرمادیں گے۔ ضرور فرمادیں گے۔ کیونکہ حکومت کے اختیار کا

خدا کے آخری رسولؐ کو بدرواہد کے میدانوں میں لے گیا تھا۔ یہ بے ضرر لگا ہے جیسا اسلام بے ضمیروں، کمزوروں، بزدلوں اور خود سر و نشوں کا اسلام ہے جسے مغربی تہذیب آثار قدیمہ کے طور پر برداشت کرتی ہے اور کرتی رہے گی۔ بھلا نا جس اسلام کو پڑے گا وہ تو اور ہی ہے۔ وہ۔ وہ۔ وہ ہے جو اپنے ایک ایک اصول ایک ایک قدر کی خاطر زندگی اور موت کی جنگ لڑتا ہے۔ وہ۔ وہ ہے جس نے ابو بکر صدیقؓ کی زبان سے کہلوا یا تھا کہ۔ اے لوگو! اگر تم نے زکوٰۃ میں دی جانے والے ذرا سی رسی سے بھی گریز کیا تو میں تم سے جہاد کروں گا۔ وہ۔ وہ ہے جو سخت اقتدار پر اپنے سوا کسی بھی دین اور کسی بھی ازم کا تسلط برداشت نہیں کرتا۔

اب یا تو اس اسلام کو دل سے نکال دو اور نام کی مسلمانی پر قناعت کر لو اور یا تہذیب نوئی سے لوہا لو اور ان تمام نقصانات کو گوارا کرنے پر آمادہ ہو جاؤ جو اس ٹکڑے کے پیچھے میں پیش آتے ہیں۔

یہ تہذیب ہمیں یہ بھگانے کے لئے اٹھانی پڑی کہ کسی بھی اسلام دشمن تہذیب و تمدن اور مادہ پرستانہ نظام حکومت کے زیر سایہ رہ کر ان معاملات کا شافی حل ممکن نہیں ہے جن میں اس نظام اور اسلامی نظام کے اصول و اقدار ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں۔ اسلام سود کی ایک پائی تک کار و ادار نہیں۔ مغربی انداز فکر سے وابستہ آپ کا قانون حکومت سود کو شیر مادر قرار دیتا ہے جس کے بغیر ملک کا موجودہ اقتصاد ہی ڈھانچہ ایک پل بھی کھڑا نہیں رہ سکتا پھر بھلا مصالحت ہو تو کس نکتے پر اور حل نکلے تو کہہ رہے آپ لون لینا چھوڑ دیں تو ظاہر ہے کہ موجودہ کاروبار ہی ہاتھ دھونا ہو گا اور موجودہ کاروبار آپ کو چھ ماہ میں دو لاکھ پے کرتا ہے۔ بھلا اتنی شاندار آمدنی چھوڑنے کیلئے کیا ہم جیسے بے مایہ فتنی کا نقطہ یہ کہہ دینا کافی ہو سکتا ہے کہ سود لینا دینا حرام ہے۔ خصوصاً جب آپ کے اربابِ قدا اور ان کے جو اربابین کا علم کلام صبح سے شام تک یہ باور کرانے میں لگا ہوا ہے کہ بینک کا سود وہ سود ہے ہی نہیں جسے

بعد میں واپس چلی آئی۔ مشکوٰۃ باب مناقب عمرؓ جلد سوم صفحہ ۲۲۶ حدیث ۵۹۹۱۔ مطبوعہ محمد سعید۔ کراچی)

حدیث کے الفاظ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ حبشیہ عورت موجودہ اصطلاح میں ڈانس کر رہی تھی۔ ایک معترض اعتراض کر سکتا ہے (بلکہ کیا ہے) کہ عورت کو ڈانس کرنے دیکھ کر حضورؐ نے منع کیوں نہ فرمایا۔ اور اگر وہ عورت غیر مسلم تھی تو کم از کم حضورؐ جنابہ صدیقہ طیبہؓ طاہرہ کوہی دیکھنے سے منع فرماتے۔ کیونکہ ظاہر ہے یہ کام بہت ہی قابلِ مذمت تھا۔ جیسی توحاب عمر رضی اللہ عنہ کے خوف سے لوگ ادھر ادھر بھاگ کھڑے ہوئے۔ ہربانی فرما کر تجلی کی قریبی اشاعت میں بیٹ کی صحیح پوزیشن اور مفہوم سے آگاہ فرمایا۔ ورنہ خواہ مخواہ کا سوال پیدا ہوتا ہے جیسا کہ ایک شیعہ صاحب نے جو کہ پہلے ہی جنابہ صدیقہ طیبہؓ طاہرہ رضی اللہ عنہا کے متعلق بہت بُری رائے رکھتے ہیں۔ اس حدیث کا بہت مذاق اڑانے کی کوشش کی ہے کہ جب حضورؐ نے اپنی بیوی کو تاشاد دیکھنے سے منع نہیں فرمایا تو ہمیں دیکھنے میں کیا حرج ہے۔ اُمید ہے کہ جنابہ تجلی کی قریبی اشاعت میں اس پر مکمل روشنی ڈال کر دین کی ایک بہت بُری خدمت انجام دیں گے۔ ایک طرح اس پر لکھنا اور بھی ضروری ہے کہ جب موجودہ دور میں ریڈیو اور دیگر خرافات کا عام رواج ہے۔

جواب :-

جہاں تک مذاق اڑانے کا تعلق ہے کتنے ہی غیر مسلمین نے آیات قرآنیہ تک کا مذاق اڑایا ہے۔ خود قرآن میں اتنی باتوں کے اس تمسخر کا تذکرہ پہلے ہی پارے میں موجود ہے کہ لیجئے جناب یہ اللہ کا کلام ہے جس میں پھر اور مگر ہی جیسی حقیر چیز ذکی مثالیں دیتے ہوئے اللہ صاحب کو چیلنج کیا ہے!

آج کے مستشرقین میں کتنے ہی ہیں جو صراحتاً یا کنسیائیہ آیات تو الگ رہیں خود خالق کائنات جل جلالہ کا مذاق اڑانے میں کیونٹوں نے کسر کو نہی چھوڑی ہے۔ پھر بھلا حدیث رسولؐ سے ٹھٹھوں کرنے والے کیوں نہ پیدا ہوتے۔ آپ کے ملک

آپ کو علم وہ توقع ہے اور دانے کی تکلیف کسی طرح بھی گوارا نہیں۔ اسی طرح خدا کا معاملہ سمجھ لیجئے۔ وہ جس وقت چاہے آپ کو بلا لے گا اور سودی میں دین سے وابستہ رہنے کی معمولی سے معمولی سزا دنیا کی بد سے بدتر ایذا رسائی اور عذابِ شدید تر ہوگی۔ لہذا کیوں نہ آپ کوئی اور کام دیکھیں اور آخرت کی شدید باز پرس سے بچنے کے لئے دنیاوی زندگی کا تھوڑا سا خطرہ مول لیں۔ ہمیں تو یقین ہے کہ آپ جس دن ہمت مرنے کریں گے خدا آپ کا ساتھ دے گا اور ذریعہ حلال کے دروازے کھل جائیں گے۔ واللہ ولی المہتممین۔

ایک حدیث

سوال :- از۔ عبدالرشید۔ باجراگرھی (پاکستان)
گزارش ہے کہ ذیل میں ایک حدیث درج کی جاتی ہے اس پر روشنی ڈالیں :-

”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول خدا صلعم بیٹھے ہوئے تھے کہ ہم نے ایک غیر مفہوم سی آواز سنی اور پھر سب بچوں کا شور و غل سنائی دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے (سن کر) ہو گئے اور باہر تشریف لے جا کر دیکھا تو ایک حبشی عورت اچھل کود رہی تھی اور بچے اس کے گرد تھے۔ نبی صلعم نے یہ دیکھ کر فرمایا۔ عائشہ ادھر آؤ تم بھی دیکھو۔ چنانچہ میں گئی اور آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر اپنی ٹھوڑی رسول اللہ صلعم کے کندھے پر رکھ لی اور میں نے کندھے اور سر کے درمیان سے اس عورت کو دیکھنا شروع کیا تھوڑی دیر بعد رسول اللہ صلعم نے فرمایا کیا ابھی دیکھنے سے حجابی نہیں بھرا؟ تھوڑی دیر بعد آپ نے پھر ہی فرمایا اور میں نے ہر دفعہ ہی کہا کہ ابھی نہیں اور اس سے میرا منشاء یہ تھا کہ میں یہ معلوم کروں کہ رسول اللہ کے دل میں میرا کیا مرتبہ ہے اور مجھ سے کتنی محبت ہے۔ اچانک عرض آگئے اور جو لوگ کھڑے عورت کا تاشاد دیکھ رہے تھے وہ ان کو دیکھتے ہی ادھر ادھر یعنی متفرق و منتشر ہو گئے۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ انسانوں اور جنوں کے شیطانا عنصر کے خوف سے بھاگتے ہیں عائشہ کا بیان ہے کہ اس کے

میں خیر سے دعوتِ اسلام کرنے والا ہی ایک گروہ مستقل طور پر ایسا موجود ہے جو احادیث سے استہزاء کرنے کو مقصد زندگی بنائے ہوئے ہے۔ شیعہ فرقے کی ذہنی گجی اور فکری بے راہ روی تو پرانی بات ہے اسے چھوڑتے اور فکر اس کا کیجئے کہ خود آپ کے ذہن مبارک میں احادیث صحیحہ سے بدگمانی کا بیج جڑ نہ پکڑنے پائے۔ احادیث کے بارے میں فکر و نظر فساد آلود ہو گئے تو کھینچے دین و ایمان کی بنیادیں کھوکھی ہو گئیں۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام برہمی است

تعبیر ہے کہ ایک حبشی عورت کی اچھل کود میں اور دور حاضر کے ترقی یافتہ "ڈانس" میں اپنے فرقہ محسوس نہیں کیا حالانکہ یہ فسق اتنا واضح ہے کہ ہر اس شخص کو نظر آجانا چاہیے جس کی بصیرت بالکل ہی ناکارہ نہ ہو گئی ہو۔

عورت بھلا کہاں کی ہے۔ حبش کی۔ حبشی تو اپنے دیکھے ہی ہوں گے۔ کیا یہ بھی ہم ہی بتائیں کہ حبش کے باشندے سیاہ فام ہوتے ہیں اور وہاں کی عورتیں بھی اس سے مستثنیٰ نہیں پھر یہ بھی سمجھ جانتے اور محسوس کرتے ہیں کہ حبشی اپیل جنی سفید یا گندمی جسموں میں ہوتی ہے وہ کالے کلوٹے جسموں کو میر نہیں پھر حدیث یہ بھی نہیں بتاتی کہ حبش جو ان تھی۔ عین ممکن ہے آدھیڑ یا بوڑھی رہی ہو۔ یہ بھی تصریح نہیں کہ اس نے کوئی پیرکشش لباس زیب تن کر رکھا تھا۔ ہو سکتا ہے ویسے ہی اول جلول اور غیر دلکش کپڑوں میں ہو جیسے آج بھی سستے قسم کے مداریوں یا خانہ بدوشوں یا دہقانوں میں پہنے جاتے ہیں۔

پھر یہ آپ بھی دیکھ رہے ہیں کہ حدیث کی وضاحت کے مطابق اس کے ارد گرد بچوں اور نوٹوں کا ہجوم تھا نہ کہ جوانوں اور من چلوں کا۔ وہ کسی اسٹیج پر یا بال روم میں بھی رقصاں نہیں تھی بلکہ ایک راہ چلتی "مدارن" تھی جو چمکانی قسم کی حرکتوں سے بچوں اور سادہ لوحوں کو بھاری تھی۔

دوسری طرف حضرت عائشہؓ کی کم سن بھی نظر میں رکھئے آپ کو معلوم تو ہو گا کہ ان سے ہمارے آقائے ان کی کسی ہی نہیں نکاح کر لیا تھا۔ یہاں تک کہ ان کی گڑبوں تک کا تذکرہ روایا

میں ملتا ہے۔ اب اگر حضورؐ نے انھیں حبشی عورت کی اچھل کود اور چٹک چٹک دکھا ہی دی اور ضمناً خود بھی دیکھ ہی لی تو کون شخص عقل و بصیرت کو طلاقِ مغلظہ دیتے بغیر یہ وہم بھی کر سکتا ہے کہ اس میں اور آج کل کے ترقی یافتہ رقص و سرود میں کوئی مماثلت ہو سکتی ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ جسم کو بوڑھا توڑنا اور طرح طرح سے حرکت جنس میں لانا تو بجائے خود کوئی فعلِ حرام نہیں ہے بلکہ اس میں حرمت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ کھلی بے حیائی اور عریانی کے دائرے میں آجائے اور اس کا نظارہ ناظرین کے شہوانی جذبات کو ہوا دے۔ آج علمائے اسلام جس رقص کو حرام قرار دیتے ہیں وہ تو وہی ہے جس میں جوان و حسین عورتیں چمت اور ہیجان خیز لباس پہن کر جسم کے ایک ایک حصے اور خط کو زیادہ سے زیادہ نمایاں کر کے پیش کرتی ہیں اور جسموں کی یہ نمائش ماحول کی نظر فریب رنگینیوں میں مل کر اس درجہ جذبات انگیز ہو جاتی ہے کہ جوان تو الگ رہے شیخ فانی بھی ایک دفعہ کو ڈھڑ مھڑی لئے بغیر نہ رہ پائے۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ ترقی کرتے کرتے یہ فن شریف ہیجان انگیز یوں کے کن مراحل تک پہنچ چکا ہے۔ پھر بھی کوئی شخص یہ کہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو ایک حبش کی اچھل کود دیکھنے دی تھی اس لئے ہمارے لئے بھی آج ڈانس اور رینما غیر شر دیکھنے میں کوئی حرج نہیں ہو نا چاہیے تو اس کے سوا کیا کہیں گے کہ یہ بجا رقص و ہم سے اسی طرح عاری ہے جس طرح یہ دو برسالت والی حبش جنسی اپیل سے عاری تھی۔

آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ حدیث والے واقعے میں تو کسی سفلی جذبے کی انکسرت کا سوال ہی پیدا نہیں ہو رہا ہے۔ ایک طرف کالی کلوئی عورت جو عین ممکن ہے اداھیڑ یا سانچورہ ہو۔ اچھل کود ایسی کہ بس پتھیزالیں۔ دوسری طرف عائشہ صدیقہؓ کسن معصوم۔ نہ جو شرم موجود نہ متاثر۔ آج جس چیز کو "ڈانس" کہتے ہیں وہ کالی عورتیں تو کم ہی کرتی ہیں۔ کالی بھی ہوں گی تو چھٹانگ دو چھٹانگ غانہ بدن پر ضرور تھوپ لیں گی۔ پھر برقی روشنیوں کا دیوبست انھیں پری اور

لغویات اور لہو و لعب ہی کے زمرے کی چیز ہے لہذا لوٹنوں کے تتر بتر ہو جانے کو حضورؐ روزِ مژدہ کی بول چال کے مطابق ”شیطانوں کا فرار“ قرار دیتے ہیں تو اس سے یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ سارا تماشہ فعلِ حرام کے ہم معنی تھا۔ آپ اپنی ہی زبان لے لیجئے۔ تین سال کا معصوم بچہ ذرا شوخی دکھاتا ہے یا تہلکا کوئی لفظ بولنے کا کا زمانہ انجام دیتا ہے تو آپ اس کے رخسار پر پتھر سے چیت لگا کر کہتے ہیں شیطان کہیں کا۔ تب کیا واقعتاً آپ کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ بچے کی معصومانہ حرکت میں وہی ”کفر“ موجود ہے جس نے شیطان کو شیطان بنایا اور اندۂ درگاہ کیا؟

ظاہر ہے کہ ایسا مطلب اخذ کرنے والے کو آپ باطل قرار دیں گے۔ پھر اس شخص کو آپ ہوشمند کیسے کہہ سکتے ہیں جو حضورؐ کے مذکورہ فقرے سے یہ مطلب اخذ کرتا ہے کہ جس تماشے کو حضورؐ نے خود دیکھا اور حضرت عائشہؓ کو دکھلایا وہ حقیقی معنوں میں شیطانی تماشہ تھا۔

لہو و لعب حرام ہے لیکن بلا شرط و قید نہیں۔ وقت ضائع کرنا حرام ہے مگر کچھ حدود و قیود کے ساتھ۔ وقت تو ایک پیالی چائے پینے میں بھی ضائع ہوتا ہے اور بے لحک منطق سے کام لیجئے تو چائے نوشی اسراف بھی ہے۔ مگر کیا کسی بھی عالم نے چائے نوشی پر لہو و لعب اور اسراف والی حرمتیں چسپاں کی ہیں؟۔ نہیں کیوں کیونکہ دین نفعہ اور بصیرت سے عبارت ہے کوری لفظ پرستی سے نہیں جشن کا ”ناج“ کا رخصتوں یقیناً تھا مگر اس سے کسی اسفل جنے کی انگیخت یا کسی اور اسلامی قدر کی پامالی کا اندیشہ نہیں تھا یہ تو ایک بے ضرر تماشہ تھا۔ عریانی سے خالی۔ فحش سے سبزا بچوں کے لئے مزیدار۔ بچے تو ویسے بھی احکام کے مکلف نہیں۔ حضورؐ نے کم سن عائشہؓ کو دکھلایا اور خود بھی دیکھا تو قیامت تک کے لئے یہ تعلیم امت کو مل گئی کہ لہو و لعب کی ممانعت کے باوجود ایسے کھیل تماشے جواز کا درجہ رکھتے ہیں جو اخلاقی گراؤ سے خالی ہوں اور شریک ہونے والوں کو سزا نص و واجبات سے غافل نہ کر دیں۔

جو رہی بنا کر دکھائے گا۔ جوان ہونا آج کے فنِ رقص میں لوازمات کا درجہ رکھتا ہے۔ بوڑھیوں کو تو پینشن مل جاتی ہے۔ وہ بچایا کہاں ناچیں گی کہ جنس زدہ مخلوق کو بوڑھیوں سے یکساں بچی۔ مؤثر قوی۔ متاثر دل و جان سے قبول اثر بہ آمادہ۔ ایک طرف شعلہ تو دوسری طرف پٹروں۔ یہ سب کچھ آپ کے شیعہ دوست کی چشم بصیرت کو نظر نہیں آیا تو کم سے کم آپ کو حضورؐ نظر آنا چاہیے تھا۔ خواہ مخواہ ہر اسامیہ بنا کر یہ کہہ بنا کر۔ ”ظاہر ہے یہ کام بہت ہی قابلِ مذمت تھا۔“

ثابت کرتا ہے کہ بددماغ اور کج فکر لوگوں کی صحبت آپ کی فہم و دراست پر بھی سایہ ڈالنے لگی ہے۔ حضرت عمرؓ کی آمد پر تماشہ بین لوٹنوں کا تتر بتر ہو جانا لازماً یہی معنی نہیں رکھتا کہ وہاں ”رقصِ ممنوعہ“ ہو رہا تھا۔ سوچئے کہ آپ چند بے تکلف اور ہم عمر دوست بیٹھے خوش گویاں کر رہے ہوں۔ فقیر اڑا رہے ہوں۔ سگڑیں پھونک رہے ہوں اتنے میں ایک یا عرب، سخت گیر اور سنجیدہ قسم کے بزرگ تشریف لے آئیں تو کیا آپ کے فہموں میں بے رنگ نہیں لگ جائیگا۔ کیا آپ سگڑیں نہیں پھونک دیں گے۔ کیا آپ کی بلند آوازیں دب نہیں جائیں گی؟۔ ضرور یہ سب کچھ ہو گا۔ مگر کیوں؟۔ آپ کسی حرام کے مرتکب تو ہرگز نہیں ہو رہے تھے مگر بوڑوں کا ادب بھی ایک چیز ہے۔ سخت گیر بزرگوں کا رعب و اب بھی ایک نفسیاتی تقاضا ہے۔

ٹھیک اسی طرح حدیث والے واقعے میں سمجھئے کہ اس جشن کے گرد سے تماشائی بچوں کا چھٹ جانا حضرت عمرؓ کی رعب دار اور تن مزاج شخصیت کی وجہ سے تھا جو اپنے کھرے پن اور تقشف کے لئے معروف تھی۔

رہا حضورؐ کا یہ فرمانا کہ جن و انس کے شیطان عشر کے خوف سے بھاگتے ہیں تو بے شک وقت ضائع کرنے والا ہر مشغول شیطانی ہی کاموں کی فہرست میں آتا ہے نہ کہ رحمانی کاموں کی۔ یہ جشن کی اچھل کود کسی افادیت پر مبنی نہیں تھی۔ علاوہ انہیں اس قسم کی راستہ چلتی ”مدارن“ کو دیکھ کر گونٹے جس قسم کی شہرا رہیں کرتے اور غل غباڑہ چاتے ہیں وہ بھی

کو اس بنیادی تعریف کے اعتبار سے یقیناً ناج تھی۔ مگر یہ ناج فن اور آرائش کے ان سانچوں میں نہیں ڈھلا تھا جن میں آج کا ڈانس ڈھل چکا ہے۔ لہذا اس کی مثال ان اجزاء و عناصر کی سی ہے جو انگور اور گیسوں میں موجود تو ہیں مگر ابھی صنعتی مراحل سے گذر کر لال پری نہیں بنے ہیں۔ ان میں نشہ کہاں۔ ہیجان انگیزی کہاں۔ یہ حرام کیوں ہوں جب کہ حرمت کے وجوہ ہی موجود نہیں۔ ہاں جب یہ آرٹ کے سانچوں میں ڈھل کر ڈونکو ڈسنے اور بھجوں کو گرمانے کا کارنامہ انجام دینے لگیں گے تو انھیں اسلام کی پاکیزہ شریعت حرام کے خلعے میں رکھ دے گی۔

لڑکی کی رضا کے بغیر نکاح

سوال :- (نام مخدوف)

میں دیوبند ہی رہتی ہوں اور آپ کے رسالہ کی خریداری بھی ہوں۔ براہ کرم آپ تجلی کی ڈاک میں میرے سوال کا جواب صاف فرمائیں۔

سوال یہ ہے کہ میرے والد صاحب میری شادی جبراً دوسری جگہ کر رہے ہیں جس سے کوئی عزیز بھی خوش نہیں۔ خود میرے دادا جان خوش نہیں ہیں نہ والدہ محترمہ اور نہ میں۔ صرف پیسے کو دیکھ کر ایک جاہل لڑکے سے میری شادی عمل میں آ رہی ہے اور جب کہ خود میری رضی نہیں، تو یہ نکاح جائز ہو گا یا ناجائز؟ بہر حال میں والدین کی عزت کے لئے خون کے تلخ گھونٹ پیتی ہوئی چلی تو جاؤ گی مگر نبھاؤ کس طرح ہو گا اور جب کہ ان کے والد صاحب سود خور بھی ہیں جہاں شادی ہو رہی ہے۔ میں ایسی حرام کمائی نہیں کھانا چاہتی۔ صرف میرے مجبور ہاتھوں میں جو کچھ کی چوڑیاں ہیں ان سے مجبور ہوں۔ آپ براہ کرم مجھ بد نصیب کے سوال کا جواب دیکر ممنون فرمائیں اور بتائیں کہ نکاح جائز ہے کہ نہیں؟

جواب :-

دیوبند کا تو ایک جاہل اور ناخواندہ آدمی بھی اس بات سے لاعلم نہ ہو گا کہ نکاح میں لڑکی کی رضا بھی ایک لازمی

بات خاصی منعم ہو گئی مگر ایک دو مثالیں ہم اور دیں گے تاکہ بات آپ کے دماغ میں اچھی طرح اتر جائے۔

بوسہ وہ بھی ہے جو آپ اپنے ننھے بچے کے رخسار پر ثبت کرتے ہیں اور بوسہ وہ بھی ہے جو ایک مرد اپنی بیوی کے سوا کسی عورت کا لیتا ہے۔ فعل ایک ہی ہے مگر پہلی صورت میں وہ قطعاً مباح ہے اور دوسری صورت میں یکسر حرام۔ یہ شوق آخر کیوں ہے۔ اسی لئے ناکہ بوسہ بجائے خود فعل حرام نہیں۔ حرمت اسے دوسری وجوہ سے عارض ہوتی ہے۔ بچے کے معطلے میں کسی اسفل جذبے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لہذا بوسہ دیکھنے اور شوق سے دیکھنے۔ ایک ماں اپنے جوان بیٹے کا ماتھا چوم لیتی ہے۔ ایک بیٹا فرط محبت میں اپنی ماں سے لپٹ جاتا ہے۔ یہ سب اعتراض سے بالاتر ہے۔ مگر یہی افعال زن و شوہر کے سوا دو جوان مرد و زن میں ہوں تو حکم بدل جاتا ہے۔ بس اسی آئینے میں زیر گفتگو حدیث کو رکھیے جہنم کی اچھل کود چاہے ”ناج“ ہی رہی ہو مگر اسے ”اس“ ناج سے کوئی مناسبت نہیں ہے آج ”ناج“ کہتے ہیں۔ بچے کو آغوش میں لیکر خوب چومئے تو از روئے لغت اس حرکت کو ”بوس و کنار“ کہتے ہیں کیا رکاوٹ ہے۔ مگر کیا آپ نے کبھی بچوں کے سلسلے میں یہ الفاظ استعمال کئے؟

نہیں کئے نہ کر سکتے ہیں۔ بس اسی طرح جہنم کی چٹک ٹک بھی لغت کے اعتبار سے تو ناج کہلائی جا سکتی ہے مگر معنوی اور حقیقی اعتبار سے اسے ناج کہنا صحیح کہنا نہیں ہو گا۔

دوسری مثال شراب کی لیجئے۔ شراب جن کیمیائی اجزاء سے بنتی ہے وہ انگور، گیسوں اور جو وغیرہ میں موجود ہوتے ہیں۔ یہی اجزاء و عناصر جب صنعت کی ایک خاص تکنک سے گزار دیے جاتے ہیں تو ”شراب“ نکلور میں آتی ہے جو حرام مطلق ہے۔ فرمائیے کیا ہم انگور اور گیسوں کی حلت کو شراب کی حلت یا شراب کی حرمت کو انگور اور گیسوں کی حرمت کے لئے دلیل بنا سکتے ہیں؟ اگر نہیں بنا سکتے اور یقیناً نہیں بنا سکتے تو اسی طرح رقص و سرود کے معاملے پر بھی نگاہ تدریج ڈالئے۔ ناج اٹھانے جسانی کو ایک مرتب انداز میں حرکت دینے سے عبارت ہے۔ جہنم کی اچھل

شرط ہے۔ اگر آپ کے والد صاحب یہ جانتے ہوئے بھی کہ آپ مجوزہ لڑکے سے نکاح پر راضی نہیں آپ کو اسی لڑکے سے بیاہ دینے پر رضد ہیں تو ہم جیسے غیر متعلق آدمی کا بھگانا بھگانا ان پر کیا اثر کرے گا۔ اثر اس وقت ہوتا جب وہ مسئلے سے بے خبر ہوتے۔ باخبر ہوتے ہوئے جو کام وہ کرنا چاہتے ہیں اسے بے اثر بنانے کی بس ایک ہی شکل ہے کہ شریعت نے انکار کا جو اختیار بالغ لڑکی کو دیا ہے آپ اس سے فائدہ اٹھائیں اور جب نکاح کے دن آپ سے اجازت طلب کی جائے تو آپ خاموش رہنے کے عوض جرات سے کام لیتے ہوئے انکار فرمادیں۔

ہم جانتے ہیں کہ ہمارے معاشرے میں خصوصاً دیوبند کے بسا غنیمت معاشرے میں لڑکی کا عین شادی کے وقت انکار کر دینا بہت مشکل ہے۔ لڑکیاں بس خموشی کی زبان سے اپنی رضا کا اظہار کرتی ہیں اور اگر اس نکاح پر وہ خوش بھی نہ ہوں تب بھی ان میں یہ جرات نہیں ہوتی کہ بروقت انکار کر کے ایک ہنگامہ ٹھہرا کر دینے کی ذمہ دار بنیں۔ لیکن حالات اگر وہ ہیں جن کا آپ نے ذکر کیا تو علاج اس کے سوا کوئی نہیں ہے کہ آپ اپنی والدہ یا بہن یا پھوپھی وغیرہ کے ذریعے سے پہلے ہی والد صاحب کو مطلع کر دیں کہ اگر آپ کے اس رشتے پر اصرار کیا تو عین نکاح کے دن میری طرف سے صاف انکار ہو جائے گا۔ اس کے باوجود وہ اپنے فیصلے سے نہ ہٹیں تو بروقت آپ کا انکار شریعت کی نظر میں قطعاً برحق ہوگا۔ اور اگر انھوں نے محفل نکاح منعقد ہوتے وقت آپ سے باقاعدہ اجازت طلب ہی نہ کی اور محفل میں یہ غلط بیانی کر دی کہ لڑکی نے اجازت دیدی ہے تو یہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا۔

اب ہم مسئلے سے متعلق چند ایسی توضیحات پیش کرتے ہیں جنہیں پڑھ کر آپ کے والد صاحب کے دل میں ممکن ہے خدا کا خوف اور آخرت کی جوابدہی کا احساس جاگ اٹھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دو ارشاد نہایت قابل اعتماد سندوں سے مروی ہیں اور تمام خلف و سلف

فقہاء انھیں اس مسئلے میں بنیادی درجہ دیتے ہیں کہ:-

(۱) لا تنكح الا تم حتى تستأمر
ولا تنكح البكر حتى تستاذن

یوہ کا نکاح نہ کیا جائے جب تک
وہ صفا لفظوں میں رضامندی نہ
ظاہر کرے اور کنواری کا نکاح نہ کیا
جائے جب تک اسکی اجازت نہ لے لی جائے

گویا لڑکی کی اجازت تو ہر حال میں ضروری ہے خواہ وہ یوہ ہو یا کنواری۔ لیکن ازراہ حیا کنواری کے لئے یہ شرط نہیں رکھی گئی کہ وہ زبان ہی سے اجازت دے بلکہ اس سکوت کو بھی اجازت کے درجے میں مان لیا گیا جو وہ طلب اجازت کے وقت اختیار کرتی ہے۔

(۲) الا یتما حق بنفسها
من ولیھا والیکو تستاذن
فی نفسھا۔

یوہ اپنے بارے میں ولی سے
زیادہ حق دار ہے اور کنواری سے
اس کے بارے میں اجازت طلب کجائے۔
معلوم ہوا کہ شریعت اسلامیہ میں لڑکی کی مرضی نکاح
کی ایک بنیادی شرط ہے اور اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ لڑکی
کے اولیاء دوسرے پرست، اسے ایسی جگہ بیاہیں جہاں خود
لڑکی بھی پسند کرے۔

متعدد کتب احادیث میں یہ واقعہ موجود ہے کہ حضور کی
خدمت میں ایک لڑکی نے شکایت پیش کی کہ میرے باپ نے میرا
نکاح میری مرضی کے بغیر کر دیا میرے ساتھ انصاف کیجئے حضور
نے صاف فیصلہ فرمایا کہ اگر ایسا ہوا ہے تو مجھے اختیار ہے کہ
اس نکاح کو مان لے یا انکار کر دے۔

خمساً بہت حد تک خود بیان کرتی ہیں کہ مجھے میرا باپ
نے میری مرضی کے بغیر بیاہ دیا تھا۔ میں نے حضور سے عرض
کیا تو انھوں نے مجھے اختیار دیدیا کہ چاہوں تو باپ کے فیصلے پر
راضی رہوں اور چاہوں تو اسے رد کر دوں۔

محال یہ کہ چونکہ زن و شوہر کے درمیان دلی تعلق اور
محبت و یگانگت شریعت کا مقصود خاص ہے اس لئے وہ
ضروری قرار دیتی ہے کہ لڑکیوں کو ان کی اجازت کے بغیر
نہ بیاہا جائے تاکہ ازدواجی زندگی کا مابہ ہو اور طلاق یا جنگ
نزاع کی نوبت کم سے کم آئے۔ اب اگر ایک باپ جانتا ہے کہ

اس کی لڑکی زید سے نکاح پر رضی نہیں ہے اور اس کے باوجود وہ محض نکاح جاتا ہے تو اگرچہ نکاح کی اجازت طلب کرنے پر لڑکی کا خاموش رہنا رواج عام کی روشنی میں اجازت مان لیا جائے گا اور بطور ظاہر نکاح درست ہو جائے گا۔ لیکن فی الحقیقت یہ فساد سے خالی نہ ہوگا۔ لہذا اولیاء (سرپرستوں) کو چاہئے کہ یا تو وہ ایسی جگہ نکاح کا قصد ہی نہ کریں جہاں لڑکی قلمی طور پر رضامند نہ ہو یا اگر ان کی دانست میں لڑکی کا رضی نہ ہونا حماقت یا غلط فہمی کی وجہ سے ہو تو ان کی تہہ داری ہے کہ لڑکی کو معقولیت کے ساتھ سمجھائیں یا اس کی غلط فہمی دور کریں۔ یہ ہرگز درست نہیں ہے کہ لڑکی کے جذبات و خیالات کی پرواہی نہ کی جائے اور اپنے اختیار و اقتدار کو خالص آمرانہ انداز میں استعمال کر لیا جائے۔

اس نتیجے کے بعد ہمارا مقصدیہ فریضہ تو ادا ہو گیا مگر آپ کی مشکل اس سے بھی حل ہوتی نظر نہیں آتی۔ آپ کے خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ سخت بد دل اور ناخوش ہونے کے باوجود آپ بہر حال اس پر آمادہ ہیں کہ والد کے فیصلے پر سر جھکا دیں اور لفظ انکار آپ کی زبان پر نہ آئے۔ اگر ایسا ہے تو نکاح یقیناً منعقد ہو جائے گا۔ قانونی فیصلے ظاہری واقعات کی روشنی میں ہو کر تے ہیں لڑکی کے جذبات و خیالات خواہ کچھ ہوں لیکن اگر وہ باپ کی عزت یا خاندان کی لاج یا شرم و حیا کے باعث اپنے اس اختیار کو استعمال نہیں کرتی جو قانون شریعت نے اسے اجازت دینے اور نہ دینے کے بارے میں عطا کیا ہے تو شریعت اس کے جذبات و خیالات کے مطابق نہیں بلکہ عمل کے مطابق فیصلہ دے گی۔ عمل یہی سامنے آیا کہ وہ اجازت سے انکار نہ کر سکی۔ یا یہ الفاظ دیکر اس نے طلب اجازت کے وقت سکوت اختیار کر لیا جس کا مطلب خود اسے بھی معلوم تھا کہ ”رضامندی“ لیا جائے گا لہذا نکاح درست قرار پایا۔ لڑکی جب خود ہی اپنی خوشنودی اور اپنے احساسات کو باپ کی مرضی پر قربان کر رہی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ قانون شریعی اس فریادی کو رد کرتے ہوئے نکاح کے عدم

جو از کا فیصلہ دے۔ کسی کا حق مارنا ظلم و گناہ ہے لیکن اپنے حق سے دست بردار ہو جانا ایسا فعل نہیں جس سے دین یا دنیا کا کوئی بھی قانون خواہ خواہ اچھے۔ بالغ لڑکی کو حق حاصل ہے کہ اپنی مرضی کے خلاف نکاح کی اجازت نہ دے۔ باپ اگر اس حق کو غصب کرنا ہے تو یقیناً وہ ظالم و عاصی ہے اور جبر و تشدد کے تحت کیا ہوا نکاح یقیناً باطل ہوگا۔ لیکن جب لڑکی طلب اجازت کے وقت انکار نہیں کرتی حالانکہ وہ اپنے حق سے باخبر ہے تو شریعت اس سے نہیں اچھے گی۔ باپ کا جبر بھی ثابت نہیں ہوگا بلکہ ثابت صرف یہ ہوگا کہ ولی مرضی نہ ہونے کے باوجود لڑکی نے نکاح قبول کر ہی لیا۔ آپ اس نکاح پر آمادہ خواہ ڈر کی وجہ سے ہوں یا شرم و حیا کے باعث یا خاندان کی لاج کے لئے۔ یہ محض دعوہ ہیں آپ کے ظاہری عمل کے عمل اور واقعہ بہر حال یہی ہوگا کہ آپ نے نکاح کی اجازت دیدی۔ جائز اور ناجائز فقہی وہ اصطلاحیں ہیں جن کا تعلق معاملات و مسائل کی قانونی پوزیشن سے ہے اور قانون واقعات و افعال کو دیکھتا ہے جذبات و محسوسات کو نہیں۔

شریعت کے نزدیک اولاد کے لئے ماں باپ کی فریادری بہت اہم چیز ہے ماں باپ کے بہت حقوق ہیں۔ لیکن ماں باپ پر اولاد کے بارے میں کچھ فرائض بھی عائد کئے گئے ہیں اور اولاد کے لئے فریادری کی بھی کچھ حدود و قیود ہیں۔ اگر لڑکا جاہل بھی ہے اور سود خوار کا بیٹا بھی اور آپ کی والدہ اور دادا تک اس رشتہ سے خوش نہیں ہیں تو ہمارے نزدیک اس خاص مسئلہ میں باپ کی نافرمانی آپ کے لئے معصیت نہیں۔ شرم و حیا بہت پاکیزہ چیز ہے لیکن جب ایک بچہ کی حیا زندگی بھر کے لئے وبال بن سکتی ہو تو جرات سے بھی کام لینا ”بی حیاتی“ نہیں کہلائے گا۔ تاہم جو باجیا اور اطاعت کیش لڑکی اپنی اطاعت کیشی یا حیا یا خوف کی وجہ سے لفظ انکار زبان پر نہیں لاتی اس کا نکاح اس لئے منعقد ہو جائیگا کہ شریعت نے اسے انکار اور رد کا جو اختیار عطا کیا تھا اس نے خود ہی اسے استعمال نہیں کیا۔

اختیار کر لے۔ ایسی صورت میں سود خوار کی اولاد ہونا بھی آپ کے لئے کافی عذر نہ رہا۔

خلاصہ یہ کہ بہتری کی کچھ بھی امیدیں اگر باندھی جاسکتی ہوں تو باپ کا حکم بجالانا اور سماجی رسوائی سے بچنا عقلمندی بھی ہے اور شریعت کی ہدایت بھی۔ لیکن اگر ایسی امیدوں کے لئے گنجائش نہ ہو تو کسی سود خوار کے گھر میں بہون کر جانے کی آفت اور ہلاکت سے بچنا عقلمندی ہے خواہ باپ کی مدد ملے اور سماجی قدروں سے بغاوت کرنی پڑے۔
اللہ تعالیٰ آپ کے لئے اُس راہ پر چلنا آسان کرے جو آپ کی دنیا اور دین دونوں کے لئے بہتر ہو۔

یہاں تک جواب تمہارا آپ کے جذبات اور نقطہ نظر کی پاسداری کرتے ہوئے دیا گیا۔ اب یہ بھی سمجھ لیجئے کہ ایک اور پہلو بھی ہے جس پر غور کر لینا چاہیے۔ آپ شاید جانتی ہی ہوں کہ عام طور پر اچھے لڑکوں کی کمی ہے اور کمی کے ساتھ ساتھ حسن صورت کی طلب کا جذبہ بھی لڑکوں میں روز افزوں ہے۔ اب اگر کسی شخص کی جوان لڑکی بیٹھی ہے اور کسی مناسب جگہ سے رشتہ نہیں آ رہا ہے تو اس شخص پر قدرتا فخر سوار رہتا ہے۔ پھر اس عالم میں اگر بھولے بھٹکے کہیں سے رشتہ آجاتا ہے تو وہ زیادہ مین میج نکالنے کے عوض اسے غنیمت تصور کرتا ہے اور اپنے بارے میں کو ہلکا کرنے کی خاطر بعض ایسے رشتے بھی منظور کر لیتا ہے جنہیں عام حالات میں وہ ہرگز منظور نہ کرتا۔

ہمیں نہیں معلوم آپ کے یہاں کیا صورت حال ہے۔ اگر واقعہ صورت حال ایسی ہی ہو کہ آپ کا رشتہ کسی اچھی جگہ سے نہ آ رہا ہو اور عمر بھی اتنی ہو گئی ہو کہ اس وقت تک متعدد رشتے آجانے چاہئیں تھے تو عین ممکن ہے کہ ایک جاہل لڑکے سے آپ کے نکاح پر وہ اسی ڈر سے آمادہ ہو گئے ہوں کہ کہیں اس سے بھی ہاتھ نہ دھونے پڑیں۔ صحیح صورت حال کا اندازہ لگانا آپ ہی کا کام ہے۔ اگر یہ شکل موجود ہو تو انکار سے قبل آپ کو بھی نتائج کا احساس کر لینا چاہیے۔ آپ جانتی ہی ہیں کہ ہمارے موجودہ معاشرے میں عین وقت پر لڑکی کا انکار معیوب تصور کیا جاتا ہے لہذا اگر پہلے ہی اچھے لڑکوں کے والدین آپ کی طرف متوجہ نہیں ہیں تو اس رسوائی کے بعد تو بالکل ہی توقع اٹھ جاتی ہے لڑکا جاہل ہے تو یقیناً ایک عیب ہے لیکن ایک ایسے ملک میں جہاں جاہلوں ہی کی کثرت ہو یہ عیب بہت زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ بہتر سے جاہل اخلاق و کردار کے لحاظ سے پڑھے لکھوں کو طاق میں بٹھاتے ہیں۔ آپ معلوم کریں کہ جہالت نے اس لڑکے کو آوارہ اور بازاری تو نہیں بنایا۔

سود خوار کی اولاد ہونا بڑی بُری نصیبی ہے۔ مگر اس پر بھی خود اولاد کے کردار اور حالات کے تحت غور کرنا چاہیے۔ فرض کیجئے لڑکا خود سود خوار سے متنفر ہو اور کوشش کر رہا ہو کہ کہیں اور حلال روزی کا انتظام ہو جائے تو باپ سے علیحدہ رہائش

مجموعہ تیسرے رسول
حضرت کی حیات مبارکہ کے تفصیلی حالات عام فہم زبان میں۔ بچے بچیاں اور غربا بھی فائدہ اٹھا سکیں اس لئے کتاب ۲۵ حصوں میں بانٹ دی گئی۔ فی حصہ چالیس پیسے (درجہ نیچا منگوانے پر نو روپے)
کیا ہم مسلمان ہیں؟
شمس نوید عثمانی کے پُر سوز مضامین کا مجموعہ۔ سوا دو روپے ۲/۲۵

حصہ دوم تین روپے۔ ۳/-
مخزن الولايت
ملفوظات شاہ خادم صغی کا اردو ترجمہ تحقیقی حواشی سے مزین۔ مجلد تین روپے۔
اسلام مشرق میں
مشرقی ممالک اور قوموں میں اسلام کی اشاعت کس طرح ہوئی اور اس کے وسائل و ذرائع کیا تھے۔ ایک تحقیقی کتاب۔ مجلد ساڑھے چار روپے۔

قادیان ازم
QADIAN ISM

”قادیانیت“ پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی ایک بہترین انگریزی کتاب۔ مجلد ساڑھے پانچ روپے۔

اسلامی خطوط نویسی
خط لکھنے کا طریقہ سیکھنے کیلئے ایک مفید کتاب رف کاغذ۔

۶۰ پیسے (دگلیز کاغذ ۷۰ پیسے)

مکتبہ تجلی - دیوبند (دیوبند)

پاکستانی حضرات اپنی کتابی ضرورت کے وقت اس سے برآمدوں مکتبہ عثمانیہ ۲۲۸۰ مینا بازار۔ میرا بی بخش کالونی۔ کراچی (پاکستان)

تجلی کا خاص نمبر ۶۶

الحمد للہ۔ آج ہم یہ اعلان کرتے ہوئے بڑی مسرت محسوس کر رہے ہیں کہ خاص نمبر کے نام سے اعلیٰ اور اہم ترین مضامین کا ایک ایسا گلدستہ پیش کرنے کا وقت آہی گیا جس کا عنوان ہوگا۔

حاصل مطالعہ نمبر

اس میں تجلی کے مستقل عنوانات۔ تجلی کی ڈاک۔ کیا ہم مسلمان ہیں۔ مسجد سے میخانے تک۔ توہوں ہی لیکن ان کے علاوہ بعض ایسے نادر، نفیس اور غیر معمولی اہمیت کے حامل مضامین بھی ہوں گے جن کا مطالعہ آپ کو اپنے اندر جذب کر لے گا۔

ایک جھلک

① مولانا مودودی کے اپنے قلم سے اس تحریک اسلامی کی زترین تاریخ جسے آج دنیا "تحریک اقامت دین" کے نام سے جانتی ہے۔ کب کس طرح اس کا آغاز ہوا۔ مولانا مودودی کن کن مراحل سے گزرے۔ ناسازگار حالات سے انھوں نے کیونکر جنگ کی۔ تجلی کے ۳۳ صفحات پر پھیلی ہوئی یہ داستان بار بار پڑھنے کی چیز ہے۔

② مولانا مودودی کا ایک معرکہ الأراء مقالہ "اسلامی تزکیہ نفس" جس میں انھوں نے بڑی تفصیل سے بتایا ہے کہ تزکیہ نفس کی مختلف معروف شکلوں میں کون سی شکل حقیقتہً اسلامی تزکیہ نفس کہلانے کی مستحق ہے استدلال، حسن نظر اور ادبی رعنائی کا مرقع۔

③ شیخ عبداللہ کے وہ خطوط جو انھوں نے اپنے بارہ سالہ زمانہ امیری میں لکھے تھے۔ اخلاقی تعارف کا گنجینہ۔ اس کے علاوہ کتنے ہی قیمتی مضامین جو سیکڑوں صفحات تک پھیلے ہوئے ہیں۔

یہ عظیم نمبر انشاء اللہ یکم اگست ۱۹۷۷ء کو شائع ہو رہا ہے

تجلی کے سالانہ خریداروں کی خدمت میں مفت پیش کیا جائیگا

قیمت غالباً تین روپے ہوگی۔ ایجنٹ حضرت اپنی مطلوبہ تعداد پہلے سے رزرو کرادیں۔

منیجر تجلی۔ دیوبند

مستقل عنوان

شمس نوید عثمانی

کیا ہم مسلمان ہیں؟

اس کے سینے پر بھاری چٹان بھی رکھ کر رکھی۔ پھر سنگرزوں اور اس کے جسم کو گھسیٹ گھسیٹ کر کوڑے بھی برسائے۔ مگر کیا وہ اپنے مذہب سے ہٹ سکا؟

اُف! محمدؐ کا یہ جادو! — اسے اتنا زامیرے بس کی بات نہیں۔

”مگر تم تو ابوبکر سے کوئی کھیل کھیلنے کی بات کر رہے تھے۔ لوگوں نے چھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”ہاں!“ امیہ بن خلف غرایا“ ہاں۔ کھیل بھی تم دیکھ لو گے! — کیا یہ بات دلچسپ نہیں کہ ابوبکر کو اس عیسیٰ غلام کے سیاہ فاق گوشت پر حجت آرہی ہے!“

امیہ بن خلف کا ایک اور وحشت ناک قہقہہ بلند ہوا۔ ”وہ کہتا ہے۔“ وہ پھر بولا ”وہ کہتا ہے کہ عیسیٰ غلام میرا بھائی ہے۔ وہ اس کو ہر قیمت پر میرے ظلم و ستم کے چکل سے نکالنے کے لئے بے چین ہو رہا ہے۔“

”تو اس میں کھیل کھیلنے کی کیا بات ہوئی؟“ لوگوں نے پھر چھیڑا۔

”کھیل؟“ امیہ بن خلف جھلا کر بولا ”سیاہ گوشت کے ایک گھناؤنے ڈھانچے کا یہ مول تول کیا کوئی کھیل نہیں؟ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ ابوبکر اس بے کار چیز کی کتنی بڑی قیمت چکانے کی ہمت رکھتا ہے۔ میں اس کو اس غلام کی قیمت کے بڑھتے بڑھتے مطالبات سے پسینہ پسینہ کر ڈالوں گا۔ بھاگ پڑنے پر مجبور ہو کر دوں گا۔ یا پھر سیاہ خون کے بدلے مجھے وہ چمکتی دسکتی چیز ہاتھ آئے گی۔ سونا! — سونا! — سونا! —“

آج میں ابوبکر سے وہ کھیل کھیلوں گا جو کسی نے کسی سے نہ کھیلا ہو گا!!“

امیہ بن خلف نے ایک حسیانہ قہقہہ کی گرج کے ساتھ اپنے ساتھیوں سے کہا۔ — وہی امیہ جس کے غلام حضرت بلالؓ تھے۔ جس نے شروع میں بلالؓ کے دعویٰ ایمانی کو ریت کا محل اور بچوں کا ایک کھیل سمجھ رکھا تھا۔ جس نے ایک ”غلام“ کے نغمہ تو حید کو کھیل ڈالنے کے لئے بدترین شوق ستم کی اور پھر بھی وہ روح ایمانی جب وہی نغمہ۔ ابوترنگ نغمہ جبر و عقوبت کی خوفناک فضاؤں میں مسلسل الاتی چلی گئی تو بے رحم و جابر آقا کی ساری آقا نیت حیرت اور جھجلا ہٹ کے غلیظ پسینے میں غوطے کھانے لگی!

”تو کیا ارادے ہیں آخر؟“ لوگوں نے خاص دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

”تم جانتے ہو“ امیہ بن خلف کی دونوں آنکھوں میں وحشت و عیاری کی دو آتش چمک کو نہ دے لگی ”تم جانتے ہو کہ بلال میرا غلام ہے اور غلام کی حقیقت ہوتی ہی کیا ہے! پھر جب اس نے اَحَدًا! اَحَدًا! کی رٹ لگانا شروع کی ہے میرے لئے وہ سیاہ گوشت کا ایک نفرت انگیز ڈھیر بن کر رہ گیا ہے۔“

”میں نے کہا تھا کہ میری پہلی ہی جھڑکی میں اس کے اس نئے دین کا بھوت اُتر جائے گا۔ مگر نہیں اُترا۔ پھر میں نے کونسا ظلم ہے جو اس کے اوپر نہیں کیا؟ — آتشیں ریت کے تنور میں ڈال ڈال کر میں نے اس کے مذہب کو بھسم کر دینا چاہا۔ پھر

بن خلف نے بہت برا منہ بنایا۔ کچھ سوچا اور پھر فوراً بولا۔
”منظور ہے!“

لیکن اچانک پھر فوراً ہی امیتہ بن خلف نے جگر خراش تہقہہ مارا۔

”نہیں! خدا کی قسم!“ وہ منہ سے ہوتے ہوئے بولا اور اس کی آنکھوں میں شیطنت کی جلیاں کوند رہی تھیں ”قسطاس ہی نہیں، اس کی بیوی بھی دینا ہوگی!“ اس کی بیوی بھی دینا ہوگی!“

”مجھے منظور ہے۔“ ابو بکر نے ایک لمحہ پس و پیش کے بغیر فرمایا۔

لیکن اچانک پھر وہی تہقہہ!۔
”نہیں! خدا کی قسم!“ اس نے تہقہہ مارتے ہوئے ساری گفتگو پر پانی پھیرتے ہوئے کہا ”قسطاس اور اسکی بیوی کے ساتھ اس کی بیٹی بھی لونگا!“

”اوہ۔ بیٹی۔“

”ہاں۔ اس کی بیٹی۔“

ابو بکر نے ایک ثانیے سوچا۔ پھر دو ٹوک لہجے میں بولے۔ ”چلو دی۔“

لیکن ایک بار پھر امیتہ بن خلف نے ہولناک تہقہہ بلند کیا۔

”نہیں! خدا کی قسم!“ قسطاس بھی اور اسکی بیوی بھی اس کی بیٹی بھی اور دو سو دینار مزید!۔ بولو بولو کیا بلال کو خریدو گے؟“

”شرم!“ بار بار زبان بدلنے والے کی شرارت سے بیزار ہو کر حضرت ابو بکرؓ بولے ”کیا جھوٹ بولتے ہو تجھے شرم دینا نہیں آتی؟“

”لات و عزتی کی قسم!“ امیتہ بن خلف نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا ”بس یہ آخری قیمت ہے۔ پھر بات طے شدہ سمجھو۔“

”چل ادا کا فرجھے یہ بھی منظور ہے۔“ مسلمان بھائی

کیسا عجب کھیل!۔ جس میں ہر رخ سے ابو بکر کی ہاری تھی ہے اور میری حجت!۔ ہا ہا ہا ہا

”اچھا! لوگ کھکھلا کر منہ سے۔“ اچھا تو یہ بات ہے!۔ بلال کی سخت جانی کے بعد اب ابو بکر کی ہمدردیوں پر مشق ستم ہوگی!۔

ہا ہا ہا ہا!۔ امیتہ بن خلف کا تہقہہ کسی بدروح کی بے ہنگم چیخ پکار کے انداز میں گونجتا رہا۔

گرم گرم بانو کی چنگاریوں پر بلال حبشیؓ کے جسم کو بھونا جا رہا تھا۔ پتھروں کے اوپر گھیسٹا جا رہا تھا۔ کوڑے پیالے پڑ رہے تھے۔

”اَحد!۔ اَحد!“ بلال کی کراہ تھی۔ ابو بکر نے یہ آواز سنی۔ بے قرار ابو بکر تیزی سے چھپٹے جیسے بلال کی منظرِ میت کی ساری میسین۔ تمام درد ابو بکر کے قلب میں سمٹ آیا ہو۔ وہ سچ سج ٹرپ لٹھے تھے۔

”کیا اس غریب کے سلسلے میں تجھے خدا کا بھی ڈر نہیں!“ ابو بکر نے بلال کی حالت زار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امیتہ سے پوچھا۔

”اس کے تمام دکھ درد کی ذمہ داری خود تم لوگوں پر ہے“ امیتہ نے جڑھ دوڑنے کے انداز میں کہا۔

”تم نے ہی اسکو بگاڑا اور پھر اس حالت زار تک پہنچنے پر مجبور کیا۔ اب اس کو بچا کر دکھاؤ۔ بناؤ اسے خریدتے ہو۔ بولو!“

”ہاں“ حضرت ابو بکرؓ بلال کی نجات کے لئے بیکل ہوتے ہوئے بولے ”ہاں میں تیار ہوں۔ ہر قیمت پر!“

”کیا قیمت دو گے؟“ امیتہ نے تکیجی نظروں سے دیکھا۔

”قسطاس!“ ابو بکر نے چھوٹے ہی کہا ”میرا مضبوط، چست و قوی غلام قسطاس! جس کے کفر سے میں

اس طرح بیزار ہوں جس طرح تم بلال کے ایمان سے!۔

مجھے بلال سے محبت ہے۔ تمہیں قسطاس سے محبت ہونی چاہیے۔“

ایک غلام سے محبت کرنے کی بات سننے ہی امیتہ

یہ سوال جواب چاہتا ہے اور جواب ہی یہ بتائے گا کہ ہم اسلام کی غلامی کا دم بھرنے والے سچے اسلام کے غلام ہیں۔ یا ہم نے خود اسلام کو اپنی خواہشات کا غلام اور اپنے مفادات کا آلہ کار بنا چھوڑا ہے۔ کسی اور سے نہیں خود اپنے سے جواب لو اور پھر اس دن کا انتظار کرو جب فرد عمل دیکھ کر سچ پڑو گے کہ **يُؤْتِكُنَا مَالًا هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْضَرْنَا بِهَا** خرابی! یہ کیسا کاغذ ہے کہ اس نے ہمارے چھوٹی اور بڑی کسی بھی بات کا احاطہ کئے بغیر نہیں چھوڑا!

تحفہ کر بلا اگر بلا کے موضوع پر ایک فکر انگیز کتاب تقلیدی اسلوب کی بجائے تنقیدی اور تحقیقی انداز نظر منطقی فکر اور متین و متوازن طرز نگارش۔ اسے پڑھ کر آپ کچھ سوچنے پر مجبور ہوں گے۔ ساڑھے تین روپے۔

خطبات غوث اعظم حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی **عظیم** ۶۲ خطبات اور آپ کے حالات زندگی۔ شریعت اور توحید و سنت کے معارف لبریز، ان خطبات کا مطالعہ آپ کے وقت کا بہترین مصروف ہو گا۔

قیمت جلد ساڑھے پانچ روپے۔ ۵/۵۰

جامع اردو لغات اردو کے چالیس ہزار سے زیادہ الفاظ مع محاورات و اصطلاحات، نیز انگریزی کے وہ الفاظ مع معانی و تشریح جو روزمرہ بولنے میں آتے ہیں (انگریزی سچے سمیت) اعلیٰ لکھائی۔ زبر زبر کا ہتھ آ چھوٹے سائز کے ۷۰ صفحات۔ گورنمنٹ پبلشرز، نئی دہلی۔

مصباح اللغات جدید عکسی الیڈیشن

کامل عربی اردو لغت۔ پچاس ہزار سے زائد عربی الفاظ کا جامع و مستند ذخیرہ۔ مشہور لغت اب فوٹو آڈیٹ کی نقیض طباعت کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔ جلد بیس روپے۔

مسئلہ سود حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کے قلم سے "سود" کے مسئلے پر مفصل بحث، قرآن و حدیث کی روشنی میں۔ قیمت سوا روپیہ ۱/۲۵۔

بلال کی عجزاری سے سرشار ابو بکرؓ نے سینہ تان کر کہا۔ سودا ختم ہو چکا تھا۔ ایک عظیم آزمائش میں دونوں مومن کھرے اترے تھے۔ بلالؓ کی جان اور ابو بکرؓ کے مال پر سے طوفانی آزمائش پوری قوت سے گزری اور دونوں فاتحانہ نکلے! فقط اس لئے کہ "خدا" دونوں کو جان و مال سے زیادہ پیارا تھا۔

یکایک ایک نیا تقویہ بلند ہوا۔ لیکن یہ تقویہ امیر بن خلف کا نہیں۔ اس کی بیوی کا تھا! جس کے خیال میں بلالؓ کی اتنی بڑی قیمت دے کہ ابو بکرؓ معاذ اللہ بے وقوف بن گئے تھے۔

"ہم تو بلالؓ کو ایک اوقیہ سونے میں بھی بخوشی بیچ ڈالتے!" اس نے کہا "بلالؓ ہمارے لئے ہمارے سب سے بے قیمت چیز کے سوا آخر کیا ہے۔"

"کون کسے بتائے کہ بے وقوف کون بنا!" ابو بکرؓ کی روح سے درد سا اٹھا "بلالؓ میرے لئے اس قدر قیمتی ہے کہ تو اوقیہ بھی قیمت ٹھہرتی تو ابو بکرؓ بھی بیٹنے والا نہیں تھا۔" حضرت ابو بکرؓ کی یہ درد بھری بات ان لوگوں نے سنی اور۔۔۔ پھر بھی انھیں "بیوقوف" ہی سمجھا۔ اس لئے یہ کفر دنیا کی پریش کادو سرانام ہے۔ اور دنیا کی بے حد قیمتی چیز سونا چاندی سے بڑھ کر کوئی ہے۔

لیکن کیا ہم ابو بکرؓ کی یہ بات سمجھ رہے ہیں؟ کیا ہمارے کاسٹہ سر میں امیر بن خلف کا داغ ہے یا ہمارے سینے میں ابو بکرؓ کا سادل ہے؟ اللہ اور مال میں سے کون ہمیں زیادہ پیارا ہے؟ اور کیا ہم لوگ ہر لمحہ اسی امتحان سے نہیں گذر رہے ہیں جہاں سے حضرت ابو بکرؓ اس طرح فاتحانہ گذرے تھے؟ خدا کے کتنے بندے ہیں جو ہمدردی دیواروں کے سائے میں بھوک اور اخلاص کے شعلوں میں جل رہے ہیں۔ ہمارے پاس اتنا پیسہ موجود ہے کہ ہم انھیں اس دکھ درد کی جاں ستان قید سے نجات دلا سکتے ہیں۔ مگر کیا ہم نے ایسا کیا ہے؟ کیا ہم ایسا کرنے کا دلولہ رکھتے ہیں؟

حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط ایک بے مثال تاریخی دور اور امور مملکت سمجھنے کے لئے بہترین دستاویز ۲۲۵ خطوط قیمت مجلد نو روپے۔

احسن الصلوٰۃ نماز و طہارت کے مسائل پر ایک عام فہم کتابچہ۔ قیمت ۳۱ پیسے۔

اثبات النبوة حضرت محمد و اہل بیت کی نبوت کے موضوع پر نادر چیز ہے۔ اصل عربی متن کے ساتھ سلیس اردو ترجمہ۔ ڈپرچر روپیہ۔

مقالات شیخ الہند وحی اور اس کی عظمت و حقیقت عالمانہ اور حقیقت افروز فرمودات۔ ایک روپیہ۔

دنیا و آخرت مولانا اشرف علی کے چند اثرات پر مبنی موعظ جن کا موضوع نام سے ظاہر ہے۔ ہر حصہ مکمل مع کور ڈسٹ روپے۔

قرآن کا مطالعہ کیسے؟ اگر آپ قرآن کے ترجمہ و تفسیر سے حقیقی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو اس کتاب کو ضرور پڑھیں۔ یہ آپ کو بڑی صلاح اور مفید رہنمائی دے گی۔ سو اور روپیہ ۱/۲۵

انسان کی حقیقت امام غزالی کی مشہور کتاب کی جامع باب۔ اردو ترجمہ عام فہم اور شگفتہ۔ پچاس پیسے۔

الربین القیم مولانا مناظر حسن گیلانی کی خاص تصنیف جس میں انھوں نے مذہب اور سائنس روحانیت اور مادیت، الحاد اور خدا پرستی کے موضوعات پر مفکرانہ اور تحقیقانہ اسلوب میں علم و تفقہ کے موتی کھیرے ہیں۔ پھر ثابت کیا ہے کہ مضمبوط اور محفوظ دین بس اسلام ہی ہے۔ قیمت سو اچار روپے۔ ۲/۲۵

مکتبہ تجلی - دیوبند روپی

مشتمل ختم نبوت و عقل کی روشنی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی

نہانا بلکہ ان کے بعد بھی کسی ظلی یا بروزی یا کسی بھی قسم کے نبی کا امکان تسلیم کرنا کن دینی ہلاکتوں اور اعتقادی انتشار و اختلاف کا موجب بن سکتا ہے اس پر نہایت روشن اور دلپذیر گفتگو۔ سو اور روپے ۲/۲۵

محمد بن عبدالوہاب مسلمانوں میں جو دینی گالی "دہابیت" کے عنوان سے رائج ہو گئی ہے اس میں نسبت ایک مظلوم مصلح کی طرف ہے۔ یہ مصلح کون تھا کیا تھا۔ کس طرح اسے دشمنان اسلام نے بدنام کیا اور کیسے غلط خیالات ہم مسلمانوں میں اس کے متعلق رواج دیدیئے گئے مولانا مسعود عالم ندوی کی یہ کتاب سچائی کے رخ سے کذب و افتراء کے پردے ہٹاتی ہے۔ دو روپے ۲/۲۵ پیسے۔

میسری نماز نماز کے تمام ارکان و اجزاء کی حکمتیں اور عقلی و قیاسی فوائد۔ ساتھ ساتھ وضو۔ تیمم اور طہارت وغیرہ کے مسائل بھی شامل ہیں۔ ایک روپیہ۔

آئینہ عبرت ایک اصلاحی و تعمیری نظم جو مسلمانوں کی بعض افسوسناک خامیوں پر اصلاحی موعظ سے توجہ دلاتی ہے۔ قیمت تین پیسے۔

تعلیم کا مسئلہ تعلیم کے موضوع پر مولانا سید حامد علی کا ایک وقیع مقالہ جس میں صحت مند اور وسیع زاویے سے اس موضوع کے اہم گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ قیمت ۴۰ پیسے۔

حسین و زینب امام ابن تیمیہ کی مشہور زمانہ کتاب منہاج علی نقدی کو سنی پبلسٹس و شگفتہ اردو ترجمہ مولانا عبد الزاق ملاح آبادی کا ہے۔ قیمت پچاس پیسے۔

تصویر علم و عقل کی روشنی میں دو مضمونوں پر مشتمل یہ مضمون مولانا اسحاق سندیلوی کا ہے اور دوسرا مولانا مودودی کا۔ قیمت پچاس پیسے۔

پاکستانی حضرات اپنی کتابی ضرورتیں مکتبہ عثمانیہ ۲۲۸۰ مینا بازار۔ پیر اہی بخش کالونی۔ کراچی (پاکستان) میں سے پورا کریں۔

جب اسلام کا فرما تھا

(مولانا عبدالرؤف رحمانی)

(۱۲) ایک بار حضرت عمرؓ کے پاس امیر کو نہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی یہ شکایت پہنچی کہ انہوں نے ایک بڑا بھاری پھانک بنا کر اس پر دربان بٹھا دیا ہے۔ رعایا کی داد دینی نہیں ہو پاتی۔ تو حضرت عمرؓ نے فوراً محمد بن مسلمہ کو اپنا خط دیکر بھیجا کہ تحقیق حال کریں۔ اور یہ وہ نام ہو تو اس کو ہٹا دیں اور اگر بڑی عمارت بنوائی ہو۔ اور اس پھانک لگوایا ہو تو اسے توڑ دیں۔ اصل میں حضرت عمرؓ نے انہوں نے ایک عمارت بنوانے کے اجازت حاصل کر لی تھی۔ لیکن حضرت عمرؓ نے حکم ان الفاظ میں دیا تھا۔ ابن مایسترون من الشمس و ویکنک من الغیت و منتخب کثر العمال جلد چہارم طبع یعنی ایک عمارت بنوا سکتے ہو جو دھوپ اور بارش کی تکالیف سے نہیں محفوظ رکھ سکے۔ مگر ابی وقاص نے نفس اجازت سے فائدہ اٹھا کر ایک شاندار عمارت جسے آج کل کے لفظوں میں گورنمنٹ ہاؤس یاد اس ادا کرتا ہے چاہیے بنوا ڈالی حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ کو بھیجتے ہوئے اپنے خط میں یہ مضمون لکھا کہ میں نے سنا ہے تم نے ایک محل بنوایا ہے۔ اور اس کا نام قصر سعد رکھا ہے۔ تم نے اپنے اور عوام کے درمیان ایک مصلک قائم کر لیا ہے جس سے عوام کو تمہارے پاس پہنچنے میں دقت ہوتی ہے لہذا اے سعد! تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ اس محل کے صرف ایک حصہ میں قیام کرو جو بہت المال سے متصل ہو۔ اور پھانک کا پہرہ تم کر دو۔ منتخب کثر العمال جلد چہارم ص ۳۰۰ و اشہر مشاہیر الاسلام جلد اول ص ۳۰۰) جب محمد بن مسلمہ نے آزادانہ تحقیقات فرمائی اور مسجد میں جا کر ہراہن محمد سے سوال کیا تو تمام ہی لوگوں نے حضرت سعد کی تقریب کی اور ان کے کردار و سیرت کو سراہا۔ لیکن پھر بھی پھانک اور پہرہ حضرت محمد بن مسلمہ نے نہ قائم نہ رہے دیا۔ اور

بڑے محل کو آگ کی نظر کر دیا۔ شیعہ الاسلام ابن حجر اور ابن تیمیہ لکھتے ہیں: "فاسئل محمد بن مسلمہ بتخریق قصر سعد بن ابی وقاص الذی بناہ لہما اس ادا ان یخجب عن الناس فذهب فخرہ علیہ و ہذا القضا یا ثابتہ معروفة عند اهل العلم بذلک الحسبۃ فی الاسلام ص ۱۰۰ والاصابہ لابن حجر جلد ثالث ص ۱۰۰" دو سہ تمام ائمہ اور مورخ مسعود ابن القیم لکھتے ہیں

واحق قصر سعد علیہ ما احتجب فیہ عن العربیۃ نزال المعاد ص ۱۰۰ و مروج الذهب للمسعودی جلد ثانی ص ۱۰۰ یعنی جس بڑے محل کو اس غرض سے بنایا تھا کہ لوگوں سے علاوہ ہو کر وہاں بیٹھیں گے۔ اسے محمد بن مسلمہ نے جلا دیا یہ دافو اور اس قسم کے دو سہ واقعات بالکل صحیح ہیں۔ اور اہل علم اچھی طرح اس کی صداقت سے واقف ہیں۔ آخر تو کوئی بات تھی کہ ہمارے ہندوستان کے سرب بڑے قومی لیڈر گاندھی جی۔ راجہ۔ بکرماجیت وغیرہ کو چھوڑ کر مثالی حکمران کے لئے نام حضرت ابو بکر صدیقؓ ہو اور حضرت عمر فاروقؓ کا لیا کرتے تھے۔ سو چنے اور سنبھلنے کا مقام ہے کہ صحیح و مثالی جمہوریت اور عوامی سلطنت وہ تھی۔ یا آج کی حکومت؟ آج جمہوری حکومت کو ذرا نشانہ اعلیٰ درجہ کی کٹھنیوں اور گورنمنٹ ہاؤسوں میں اسی طرح بود و باش رکھتے ہیں جس طرح شاہان وقت رکھا کرتے تھے اور دوسری کاتو کوئی سوال ہی نہیں۔ عدل کے لئے جو عدالتی نظام آج کو دیا گیا ہے۔ وہ اس قدر پڑبیچ پریشان کن سست رفتار اور گراں ہے کہ خدا کی پناہ۔ انصاف حاصل کرنے کا یہ جملہ بجائے خود ایک عذاب اور سزا بن کر رہ گیا۔

ساتھی قصبے کہ دور گلزار گندشت مطرب غزنی کہ وقت بہار گندشت اے ہم نفس از بہر دل زار بگو افسانہ آن شبے کہ با بار گند

تاریخ ابن عساکر ص ۱۰۰ حضرت عثمان کی داد دوسری روایت ہے کہ حضرت

عثمان رضی عنہ کسی شخص سے کچھ زمین خرید لی معاشرے ہو گیا۔ لیکن زمین کا مالک دام لینے نہیں آیا۔ اس پر حضرت عثمان رضی عنہ اس

اور مزید آسانی اس طرح پیدا کی کہ اصحاب حقوق اگر خود نہ آسکیں تو اپنی شکایات کے ازالہ کے لئے کسی اور کو بطور وکیل و مختار بھیج سکیں۔

مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عثمان نے حضرت حارث بن حکم کو مدینہ کے ٹیکس پر حاکم مقرر کیا۔ انہی ڈیوٹی یہ تھی کہ بازاروں کے باٹوں پیمانوں اور سسکوں کی نگرانی کریں۔ اور کوئی بد عنوانی نہ ہونے دیں۔ لیکن انھوں نے مدینہ کے صرافوں کو مجبور کیا کہ سونا اچانک ہی صرف ان کے ہاتھ فروخت کریں جب آپ کی شکایت حضرت عثمان غنی تک پہنچی تو آپ نے ان کو سخت سز نش کی۔ اور ساتھ ہی محتسب کے منصب سے معزول کر دیا۔

دستار سبز الحمدیس جلد ثانی صفحہ ۲۷

حالی مرحوم نے کیا خوب لکھا ہے

غلیف تھے امت کے ایسے نگہبان سہ گلد کا جیسے نگہبان چوپاں
۱۴۔ اسی طرح حضرت علی بھی رعایا کی داد دہی کے خیال سے عمال کو تائب فرمایا کرتے تھے کہ بھانگ اور دربان کا سلسلہ قائم نہ کر دو لوگوں کی حاجات و ضروریات سے غافل ہو کر اندر نہ بیٹھو اور عوام کو حاجات پیش کرنے کی عام اجازت و آزادی دو۔

منتخب کنز العمال جلد پنجم ص ۵۷

۱۵۔ امیر المومنین حضرت علیؑ وقتاً فوقتاً حکام کے طرز عمل کی تحقیقات کرتے تھے حضرت کعب بن مالک کو ایک کمیشن کا افسر بنا کر بھیجا تو فرمایا۔ اخرج فی طائفة من اصحابك حتى تسموا باسمهم السوا اذ قنسا لهم عن عمالهم۔
و تنظر فی سیرتہم۔ (کتاب الخراج)

یعنی تم اپنے ساتھیوں کا ایک کمیشن لیکر روانہ ہو جاؤ اور عراق کی پوری سرزمین میں گھوم پھر کر عمال کے بارے میں تحقیق کرو اور ان کی سیرت و اعمال کا پتہ لگاؤ۔ یہ سلسلہ خلافت راشدہ کے آخری دور حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے عہد تک قائم رہا۔

ایک بار دوپہر کے وقت حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ سونے چلے تو آپ کے بیٹے عبدالملک نے کہا۔ امیر المومنین آپ سونے جا رہے ہیں۔ حالانکہ فریادی داد دہی کے لئے آپ کے انتظار میں باہر کھڑے ہیں۔ فرمایا رات کو تہہ کے چچا سلیمان کے انتقال

کو طلب کیا اور پوچھا کہ تم اپنی قیمت کیوں نہیں لے گئے۔ اس نے کہا۔ انک عننتی فما التی احد من الناس الا هو یلو منی یعنی آپ مجھے اس سوچے میں بہت نقصان پہنچا یا ہے۔ اتنے کم دماوں پر دینے میں ہر شخص مجھے ملامت کر رہا ہے حضرت عثمان نے فرمایا اختر بین ارضیک و مالکک گھبراؤ نہیں۔ یہ سود پسند نہیں تو تمہاری زمین نہیں سہارا کہ مجھے اصرار نہیں ہے۔ ۱۶ شہر مشاہیر الاسلام جلد ۲ ص ۲۷

۱۳۔ سعد بن ابی وقاصؓ والی کوفہ نے بیت المال سے ایک تم بطور قرض لی جس کو ادا نہ کر سکے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ متعمم خزانے نے تقاضہ کیا۔ انہوں نے ناداری کا عذر کیا۔ یہ شکایت حضرت عثمانؓ تک پہنچی۔ بیت المال میں اس قسم کا تصرف خلاف دیانت تھا۔ لہذا سعد کو معزول کر کے ولید بن عبدہ کو کوفہ کا والی مقرر کیا۔ جب ولید بن عبدہ نے بادہ نوشی کی تو ان کو بھی تحقیق کے بعد معزول کر دیا۔ اور شرعی حد جاری فرمائی۔ جب ابو موسیٰ اشعریؓ نے امیرانہ زندگی اختیار کی تو ان کو بھی علیہ کر دیا۔ اور جب کچھ لوگوں کو خود آپ کی ذات شکایت ہوئی تو فرمایا۔ انما انال بشر اغضب و اس رضی فمن ادعی قبلی حقا او مظلمة فما انا اذ انا ان شاء عقی وان شاء اس رضی۔

یعنی میں ایک بشر ہوں کبھی خوش کبھی ناخوش ہونا بشری فطرت ہے۔ لیکن اگر کسی کو بطور خاص مجھ سے کوئی تکلیف پہنچی ہو۔ یا میں نے اس پر کچھ کم کیا ہو۔ یا اس کی حق تلفی میری ذات سے ہوئی ہو تو مجھ سے بلا تکلف بدلہ لے یا مجھے معاف کر دے یا مجھ کو راضی کرنے کا موقع دے۔ یہ بات مدینہ منورہ تک محدود نہ رہی بلکہ تمام مرکزی شہروں میں۔ کوفہ بصرہ وغیرہ میں اطلاع بھیج دی گئی۔ راوی کا بیان ہے کہ وکتب الی اہل البلدۃ و الکوفۃ ممن لہ یتطع ان ینحی فلیوکل وکیلا۔ و منتخب کنز العمال جلد پنجم ص ۲۷

۱۷۔ شہر مشاہیر الاسلام جلد اول ص ۲۷

یہ حکم مدینہ کے علاوہ کوفہ بصرہ وغیرہ بھی لکھو اگر بھیج دیا گیا

دینی کے سلسلہ میں میرے پاس آئے گا۔ اسے سو دینار سے لے کر تین سو دینار تک بطور انعام دیا جائے گا۔

(سیرۃ عثمان بن عبد العزیز ص ۱۳)

حضرت عمر بن عبد العزیز نے فرمایا کہ جو شخص ہمارا عامل بنے۔ اس میں پانچ باتیں ہونی چاہئیں۔ اول لوگوں کی ضرورت یا کو بھرتی نہ بنیجائے۔ دوم۔ خلاف عدل کوئی بات مجھ سے ہونے لگے تو فوراً ترک دے۔ سوم۔ تمام حق معاملات میں میری مدد کے چہام۔ امانت داری سے کام کرے تاکہ نہ حکومت کے خزانہ میں نقصان ہونے پہلک پر زیادتی ہو۔ چہم۔ ہمارے سامنے کسی کی غیبتی نہ کھائے۔ (سیرۃ عمر بن عبد العزیز۔ مولفہ ابن الحکوم ص ۳)

دفع مظالم

عل۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے رد مظالم و دفع مظالم کے سلسلہ میں یہ عالم دے رکھا تھا کہ مجھ سے قبل کی حکومتوں میں جو مظالم ہوئے ہوں اور جو مالی تاوان غیر جائز نظر پر لیا گیا ہو۔ اس کو بہت المال سے ادا کرو جس کے الفاظ یہ ہیں: فانظروا لی کل جوب جاسرہ من قبلی من حق مسلم او معاهدہ کا فارادہ الیہ یہ بھی حکم تھا کہ جن پر مظالم ہوئے ہوں وہ اگر مرچکے ہوں تو مالی تاوان ان کے مدثر کو واپس کر دیا جائے۔ (موطا معہ مستوی جلد اول ص ۱۷)

عل۔ رد مظالم کے سلسلہ میں خود آپ کا ایک قابل قدر واقعہ پڑھنے کے لائق ہے کہ ایک حسین جوہل لونڈی آپ کی بیوی کے پاس تھی اور اس کو بھرتی نہ فرماتے تھے۔ اپنی بیوی سے باز رہا کہ یا تو مجھے بہتہ کر دو۔ یا میرے ہاتھ فرودخت کر دو۔ بیوی صاحبہ طلق راضی نہ ہوئیں۔ جب آپ خلیفہ ہوئے اور امور خلافت کے سبب اپنی بیوی اور دوسری لونڈیوں سے کنارہ کش ہو گئے۔ اور اپنی عزت کا اعلان بھی فرمادیا۔ تو آپ کی بیوی نے اسی لونڈی کو آپ کے پاس عہدہ کپڑے پہنا کر بنا سوار کر صورت کے لئے بھیجا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے کچھ توجہ نہ فرمائی۔ لونڈی نے عرض کیا کہ میرے آقا آپ کی وہ محبت کیا ہوئی ہے فرمایا وہ تا حال باقی ہے۔ لیکن اب میرے سامنے خلافت کے ایسے ایسے کام ہیں جنہی ذمہ دار لوگوں کے احصا سے

اور بھرتی نہ کھین کے سبب سونہ سکا تھا۔ اس لئے ذرا سو کر ظہر کے بعد باقی معاملات دیکھوں گا۔ صاحبزادے نے کہا۔ کیا آپ کو یقین ہے کہ ظہر کے وقت تک آپ زندہ رہیں گے یہ سکر صاحبزادے کو اپنے قریب بلا کر سینہ سے لپٹا لیا۔ اور پیشانی کا بوسہ دیا۔ اس کے بعد دادرسی کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ (صفحة الصفوة جلد دوم ص ۶۵)

۱۶۔ ایک فریادی مکہ کے راستے میں حضرت عمر بن عبد العزیز سے ملا اور عامل کے خلاف جو ساٹھ ہی تھا۔ اس نے شکایت کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے اس عامل نے میرے ایک مال کو چھ سو درم میں لیتا چھا۔ میں نے انکار کر دیا تو اس سے میرے خلاف ایک ایسے شخص سے مجھ پر دعویٰ کر دیا۔ جس کا میں قرض ہوں قرض کی ادائیگی نہ ہونے کی وجہ سے اس نے مجھے قید خانے میں ڈال دیا۔ آخر کار مجبور ہو کر اس کے ہاتھ تین سو میں فروخت کر دینا پڑا۔ آپ کے عامل نے مجھ سے قسم بھی لی ہے کہ اگر کہیں اس قصہ کو بیان کروں تو میری بیوی پر طلاق پڑ جائے ان حالات میں آپ ہی میرے بارے میں کوئی فیصلہ فرمادیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے عامل کی طرف ناخوشگوار نظروں سے دیکھا۔ اور اسے ماتھے پر پڑے ہوئے نشان سجدہ پر بیت کا سر مارنے ہوئے فرمایا ہذا عترت نبی اس سجدہ کے داغ ہی نے مجھے دھوکہ میں ڈال دیا۔ اس کے بعد عامل سے فرمایا کہ جا کر مال واپس کرے اور منظوم سے فرمایا تیری بیوی کو طلاق نہیں پڑی۔

(سیرۃ عثمان بن عبد العزیز)

۱۷۔ ایک افسر نے عمر بن عبد العزیز کے پاس عرض کیا کہ ہمارا شہر اچڑ رہا ہے۔ اس کی مرمت کے لئے کچھ مالا دیا جیتے حضرت عمر بن عبد العزیز نے جواب دیا حضرت مدینتک بالعدل و تقی طرحا من الظلم فانہ مکرمتھا۔ (تاریخ الخلفاء ص ۱۳ مستطرف جلد اول)

یعنی اپنے شہر کو عدل کے ذریعہ مضبوط اور آباد کرو اور اس کے راستوں کو ظلم سے پاک رکھو۔ شہر کی آبادی اور مرمت اسی طرح ہوگی۔ حضرت عمر بن عبد العزیز موسم حج میں اعلان کرتے تھے کہ جو شخص کو ظلم کی تلافی کے لئے یا مسلمانوں کی اصلاح

یا چنگیری یا سفید۔ اب یہ میرا خط مکرر جا رہا ہے۔ اس قسم کے فضول سوالات مرت اٹھاؤ۔ حضرت علیؑ وفاطمة سے جنہیں ملجی سی قرابت ہو۔ ان سب میں دس ہزار دینار تقسیم کر دو۔ اس لئے کہ سلاطین بنی امیہ کے گذشتہ ادوار میں ان پر ظلم ہوا ہے اس کی تلافی چھری ضروری ہے۔ (مروج الذهب لمسعودی ص ۱۹۷)

۳۷ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس یہ شکایت پہنچی کہ خراسان کے عامل نے نو مسلموں پر جزیہ برقرار رکھا ہے کیونکہ اس کے خیال میں اسلام یہ لوگ محض اس لئے قبول کر رہے ہیں کہ جزیہ سے جان بچ جائے۔ قبول اسلام کے بعد بھی جزیہ سے نجات نہ پانے پر وہ ایسے بدل ہونے کہ پھر اسلام سے نکل کر اپنے دین میں چلے گئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عامل کو فوراً معزول کر دیا اور ان کی جگہ عبدالرحمن بن نعمان قشیری کو مامور کیا

۱۸ البدایہ والنہایہ جلد ۱۱ ص ۱۷۸

۱۹ قاضی ابویوسفؒ کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ رعایا کے معاملات میں دادی اور ان کے مسائل کے تصفیہ میں اس قدر مشغول رہتے کہ اگر دن میں بیس آدھ معاملات کا فیصلہ ختم کر سکتے تو پھر رات میں بھی سلسلہ عدالت جاری رہتے کہ کتاب الخراج ص ۱۹۰ الدواع الکافیہ ص ۳۲۲ البدایہ والنہایہ جلد ۱۱ ص ۱۷۸

۲۰ ایک آج کا زمانہ ہے کہ ضرورت مندوں کے صدقہ ہزارہا معاملات منصفی و ججی سے لیکر ہائی کورٹ تک برسوں سے دو خانے میں پڑے رہتے ہیں اور آج کا دیا ہوا معاملہ ساہا سال کے بعد فیصل ہو پاتا ہے اور بیشتر عدالتی مصارف اس پر سنبھل رہے ہیں۔

۲۱ محمد بن سعید نے لکھا ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ کی عدالت قسمتی سے ایسے عمال بھی ملتے تھے جو بیک وقت مستعد و کار پرداز ہوتے تھے عدالت و انصاف اور حکومت و پبلک کے کاموں میں بیک وقت مصروف رہنے کے باوجود دن میں کام تمام نہیں ہوتا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی سخت تاکید و اہتمام کی بنا پر باقی ماندہ کام رات میں ختم کرتے۔ ابو یوسفؒ بن خرم عامل مدینہ منورہ کی پبلک ڈیوٹی رات دن مسلسل قائم رہی۔ د طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۱۷۰ و تہذیب الاسماء جلد ۲ ص ۱۷۰

اسی طرح حضرت عمر اپنے عمال کو تاکید کیا کرتے تھے

نے میرے ذہن کا رخ بدل دیا۔ آخر میں نوٹڈی سے پوچھا تو کس طرح میری بیوی فاطمہ تک پہنچی۔ اس نے کہا میرے باپ کو بلاؤ غرب میں موسیٰ بن نصیرؒ نے ایک جرم میں ناخود کیا اور مجھے ولید کے پاس بھیجا۔ ولید نے اپنی بہن فاطمہ کو مہرب کر دیا۔ حضرت موسیٰ بن نصیر حجاج کے عامل تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے سارا ماجرا سن کر افسوس کیا اور نوٹڈی کو پورے اعزاز کے ساتھ اس کے وطن میں بھیج دیا۔ جس قدر مالی تاوان میں ڈال دیا گیا تھا۔ اسے بھی نوٹڈی کے بیان کے مطابق مظلوم کی اولاد کو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے واپس کر دیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۱۱ ص ۱۷۸)

۲۲ ایک شخص حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے پاس حاضر ہوا اور اس نے یہ شکایت کی کہ آپ کے عامل نے میری زمین پر ناجائز قبضہ کر لیا۔ ان واقعات کو سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عدی بن ارقطہ۔ عامل کو حکم دیا کہ اسکی زمین فوراً کی جاوے اس کے بعد فریادی سے پوچھا کہ تمہارے آنے جانے پر کیا خرچ ہوا ہے؟ اس نے کہا امیر المؤمنینؑ ساددؒ علیؑ اسھی وہی خدمت مائتہ الف اپنے میری زمین واپس کرادی۔ یہ میرے لئے ایک لاکھ سے بہتر ہے۔ میں خرچ نہ لوں گا۔ فرمایا۔ میں نے تمہارا حق تم کو دیا ہے تم پر کوئی احسان نہیں کیا۔ تم اپنا خرچ ضرور بتلاؤ۔ اس نے کہا اندازاً ساٹھ دم خرچ ہوئے۔ آپ نے ساٹھ دم اس کو بیت المال سے دلانے۔ اس کے بعد پھر بلایا۔ اور کہا پانچ دم اور لئے جاؤ۔ میں اپنی طرف سے دے رہا ہوں۔ انھیں راستے کے کھانے کی شہرت اور روٹی میں صرف کرنا۔ (سیرۃ عثمان بن عبد العزیز ص ۱۷۸)

۲۳ عمال و مظالم اور سابقہ مظالم کی تلافی کے سلسلہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مدینہ کے عامل کو لکھا کہ تم حضرت علیؑ کی اولاد میں دس ہزار اشرفی تقسیم کر دو۔ عامل نے وہاں سے لکھا کہ حضرت کی اولاد قریش کے مختلف خاندانوں میں منتشر ہو چکی ہے تو کس اولاد کو دیا جائے۔ امیر المؤمنینؑ نے لکھا کہ مجھے معلوم تھا کہ مظالم کے سلسلہ میں اگر میں تم کو لکھوں گا کہ فلاں کی بکری واپس کر دو تو تم مجھے ضرور لکھو گے کہ کافی بکری واپس کروں

کہ آج کا کام کل پرست چھوڑو کیونکہ اس طرح کام کا مجموعہ ہو جائے گا بعض کنٹرول سے باہر ہو جائیں گے۔ (سیرۃ عثمان ص ۱۷۲)

ممبرین کی قیمتی کتابیں حاصل کیجئے

فیس ممبری صرف ایک روپیہ

ذیل میں چند ایسے سلسلوں کے نام دیتے جا رہے ہیں جو دو ماہی قسطوں میں چھپ رہے ہیں۔ عام آدمی کے لئے زیادہ قیمت کی ضخیم کتاب خریدنا آسان نہیں مگر قسط وار وہ اسے آسان بنا سکتا ہے۔ ذیل کے کسی بھی سلسلے کی ممبری ایک روپے میں قبول فرمائیں تو ہر قسط آپ کو ڈاک خرچ معاف کر کے بھیجے گی اور اب تک بھیجی ہوئی قسطیں بھی ڈاک خرچ معاف کرتے ہوئے بھیج دی جائیں گی۔ یہ آپ کی مرضی ہے کہ کچھلی سرب قسطیں ایک ساتھ طلب کر لیں یا تھوڑی تھوڑی کر کے۔

ایک سے زائد سلسلوں کی ممبری قبول کرنے والے ہر سلسلے کے حصے کا ایک روپیہ بھیجیں

فتاویٰ عالمگیری | دور عالمگیری کے بلند پایہ علماء کی مرتب کردہ اس شہرہ آفاق اور محکم کتاب کا اردو ترجمہ ضروری افادہ فقہ حنفی میں بڑا اعظم مقام رکھتی ہے۔ اردو میں چھاپا جا رہا ہے۔ اب تک آٹھ قسطیں چھپ چکی ہیں (فی قسط دو روپے ۲۵ پیسے)۔ یہ کتاب

ہند ایشیا کو فقہ حنفی کی بنیادی کتاب قرار دیا جاتا ہے۔ احناف کے سب مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہے۔ اس کا سلیبس اردو ترجمہ ضروری شرح دو ماہی قسطوں میں چھپ رہا ہے۔ قیمت :- فی قسط دو روپے۔ اب تک گیارہ قسطیں چھپ چکی ہیں۔

درس قرآن | قرآن کے مطالب ذہن نشین کرنے کے لئے یہ ایک نہایت عام فہم، لفتنیش اور مفید عربی سلسلہ رہا ہے جسکی چودہ قسطیں آگئی ہیں۔ ہر نئی قسط دوسرے ماہ آجاتی ہے۔ فی قسط دو روپے۔

تفہیم البخاری | بخاری جیسی عظیم کتاب حدیث کے معانی و مطالب سے قلب و ذہن کو منور کرنے کے لئے یہ سلسلہ بڑا دلپذیر اور ایمان افزہ ہے۔ اکیس قسطیں چھپ چکی ہیں۔ فی قسط تین روپے۔

منظہا ہر حق | مشکوٰۃ شریف کو کتب حدیث کا عطر اور منتخب گلہ ستمہ بھجا جاتا ہے۔ اس کی نفیس اردو شرح ۲۲ قسطیں آچکی ہیں۔ فی قسط دو روپے۔

تفسیر ابن جریر | قدیم تفسیروں میں یہ تفسیر خاص شہرت رکھتی ہے۔ یہ بھی وہی دو ماہی قسطوں میں چھپ رہی ہے۔ فی قسط دو روپے۔ اب تک پانچ قسطیں آچکی ہیں۔

تفسیر مدارک | قدیم تفسیروں میں اس کا جدا گانہ رنگ، فی قسط دو روپے۔ (پانچ قسطیں آچکی ہیں) | بخاری کی اردو شرح۔ از مولانا محمد رفیع الدین السناذ دارالعلوم دیوبند۔ اردو ترجمہ و تشریح کے ساتھ اصل عربی متن بھی موجود ہے۔ اب تک دس قسطیں آچکی ہیں۔ فی قسط دو روپے ۲۵ پیسے

ایضاح البخاری | عربی متن بھی موجود ہے۔ اب تک دس قسطیں آچکی ہیں۔ فی قسط دو روپے ۲۵ پیسے

مکتبہ تجلی - دیوبند - یو پی

۱۹۵۸ء

پاکستانی حضرات - اپنی کتابی ضرورتوں کے لئے بیہ پتہ یاد رکھیں - مکتبہ عثمانیہ - مینا بازار نمبر ۲۲ - پیر الہی بخش

پرائیوٹ اردو دینی امتحانات

گھر بیٹھے مستند دینی تعلیم کیلئے مرکزی جامعہ کا قیام!
جامعہ دینیات اردو۔ دیوبند (دیوبندی)

زیر سرپرستی حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ ہنتم دارالعلوم دیوبند

مستند نصاب کے ذریعے "عالم دینیات اردو"۔ "ماہر دینیات اردو" اور "فاضل دینیات اردو" کے تین باضابطہ امتحانات داخلہ یکم جون ۱۹۶۶ء سے شروع ہو رہے ہیں

امیدواران جامعہ کے قواعد و نصاب امتحانات اور اسکولوں اور مدارس کے ذمے دار قیام سینٹر کے قواعد و ضوابط مفت طلب کریں۔

معتد جامعہ دینیات اردو۔ دیوبند (دیوبندی)

حسب ذیل مقامات پوسٹل قائم ہو چکے ہیں

(اتر پردیش) دیوبند۔ علیگڑھ۔ ننگینہ۔ جلاپور ضلع فیض آباد۔ تالگرا ضلع فرخ آباد۔ سٹھلہ ضلع میرٹھ۔ بھٹیڑی ضلع بریلی۔ شہر میرٹھ۔ سہارنپور۔ امر وہہ۔ اٹارہ۔ رتھور ضلع بلجا۔ غازی پور۔ مغل سرائے۔ گیا پور۔ ضلع بنارس۔ جین پور۔ ضلع اعظم گڑھ۔ ڈبائی ضلع بلن شہر۔ بلن شہر۔ گورکھپور۔ سیوہارہ۔ منگلور ضلع سہارنپور۔ بارہ بنکی۔ فیض آباد۔ بلجا۔ پور قاضی ضلع مظفرنگر۔ علی گڑھ ضلع ایٹھ۔ مکن پور ضلع کانپور۔ باندا۔ لکھنؤ۔ بہت ضلع سہارنپور۔ کانپور۔ میوناٹھ۔ بھجن۔ دودھوٹیا بزرگ۔ کھنولی۔ اوریا۔

(مدھیہ پردیش) بھوپال۔ سرونج (راجھستان) کوچامن سٹی۔ ٹونک (مدارس) درجنی پورم۔ تروناٹک (دھارم پور) ورن گاؤں (کشمیر) سو پور (دھارم) گنیش پور ضلع در بھنگہ۔ سسلہ ضلع در بھنگہ۔ کواٹھ ضلع شاہ آباد۔ صادق پور۔ ٹپنہ۔ کٹیہار (آٹھ) حیدر آباد (پٹنہ) ہناباد ضلع بید شریف۔ شاہ آباد ضلع گلبرگہ شہر شریف۔ گدگ ضلع دھارم پور۔

داخلہ شروع ہو چکا ہے فارم ہائے داخلہ قومی سینٹروں سے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

جو طلباء و طالبات ان امتحانات میں شرکت کرنا چاہتے ہیں وہ اپنے قریب ترین سینٹر سے معلومات حاصل کریں اور جن امیدواروں کا قیام ایسے مقامات پر ہو جہاں کوئی سینٹر اب تک قائم نہ ہو یا جس کے قریب کوئی سینٹر نہ ہو وہ براہ راست دفتر جامعہ کو لکھیں۔ پتہ: > ساج ذیل ہے۔

معتد جامعہ دینیات اردو دیوبند

عربی سیکھئے

وہ قرآن جس پر آپ کا ایمان ہے عربی ہی میں تو ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ اگر اللہ نے آپ کو تھوڑا سا وقت فرصت، ذوق سلیم اور مذاق دین عطا فرمایا ہے تو آپ قرآن کی معنی اور فصیح و بلیغ زبان سیکھنے پر توجہ نہ دیں۔ ہم اپنے وسائل کی حد تک برابر آپ کو تعاون دے رہے ہیں۔ عربی سیکھنے کا جو نصاب ہم نے منتخب کیا تھا اس کے سوسے ادپر سیٹ ہم نے اپنے خرچ پر شائقین کو بھجواتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ ہماری گنجائش بھی محدود ہے۔ لہذا جو حضرات چھ روپے خرچ کرنے کی استطاعت رکھتے ہوں وہ مکتبہ تجلی سے یہ سیٹ قیمتاً منگالیں اور جن میں استطاعت نہ ہو وہ ہمیں لکھیں۔ اگرچہ ہمارے پاس کوئی خزانہ جمع نہیں ہے کہ جتنے بھی شائقین سیدٹ مفت لینا چاہیں سب کو دے ہی دیں۔ تاہم اپنی دلی خواہش اور ستر آئی زبان کی محبت کے تحت ہماری کوشش یہی ہوگی کہ زیادہ سے زیادہ شائقین کا دامن مراد بھردیں۔ اللہ ہماری مدد کرے۔

جدید عربی یقیناً بعض حیثیات سے مفید و ضروری ہے لیکن اپنے خدا اور رسول کے کلام کو سمجھنے اور اس سے لذت حاصل کرنے کے لئے قدیم عربی سے واقف ہونا بہت ہی زیادہ مفید و ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کو توفیق دے۔

آپ کے مخلص

ڈاکٹر عبد الودود شرقی۔ ڈی۔ ایس۔ سی۔ ایم۔ ڈی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔

۲۸ بھیماروڈ۔ سدھ گورا۔ جمشید پور۔ ۹

مسجد مسیحی کے لئے تکف

آئینے پر تاؤ مت کھاؤ

کے کرے اور پہنچا قفل کھول کر بجلی روشن کی۔ کل کی طرح آج بھی حیرتوں سے دوچار ہونا بڑے گا اس کا تصور بھلا کیا ہوتا مگر سامنے رکھے ہوئے بکس پر نظر پڑتے ہی وہی کل والا تجر پھیر حملہ آور ہوا۔ فرش کی گرد پر بکس کا نشان صاف بتا رہا تھا کہ بکس اپنی جگہ سے تھوڑا سا سر کا ضرور ہے۔ غور سے دیکھا تو جوتوں کے بھی کچھ نشان فرش پر نظر آئے مگر یہ اتنے دھندلے اور ناتمام سے تھے کہ ان پر توجہ ہی نہ جاتی اگر کس جلی نہ کھاتا۔ جھک کر ان پر طبع آزمائی کی مگر حال کچھ نہ نکلا۔ یہ بھی تو اندازہ نہ ہو سکا کہ بوٹ کے ہین سینڈل کے۔ اگتا کہ جیسے بکس کی کچی نکالی اور قفل پر جھک گیا مگر اس میں چابی لگانے کی نوبت نہیں آئی کیونکہ وہ تو چھوٹے ہی محل گیا تھا۔ گویا اسے بس یوں ہی اٹکا دیا گیا تھا۔

ڈھکنٹا اٹھانے پر سامان تو جوں کا توں نظر آیا مگر کپڑوں کی تہہ بگڑی ہوئی تھی۔

یا معبود! کون پاگل چھپے پڑ گیا ہے!
کپڑوں کے نیچے سے میں نے ٹین کا وہ ڈبہ نکالا جس میں وقتاً فوقتاً ناتو نوٹ جمع کرتا رہتا تھا۔ نوٹ جوں کے توں تھے۔ وہ دستی گھڑی بھی اپنے حسین کس سمیت موجود تھی جو میں نے پچھلے ہفتے بیڑہ کے لئے خرید کر رکھی تھی۔

لعنت ہے ایسے چور پر۔ غالباً کل ہی اس نے طے کر لیا ہو گا کہ بکس کے قفل کی کچی نہیں کر کے لائے گا۔ کچی ضرور لایا ہو گا مگر وہ ناقص ثابت ہوئی اور قفل دھینگا مشتی سے کھولا گیا۔ اسی لئے بکس تھوڑا سا سر کا بھی تھا اور قفل تو ایسا

اگلے دن میں نے اپنی جائے ملازمت ہی سے ممتاز صاحب کے یہاں فون کیا کہ آج شام نہیں آسکوں گا۔ جواب میں تنویر ترخ کر کہنے لگی:-

”کیسے نہیں آسکیں گے۔ کیا بھول گئے کہ آج پارٹی ہے اور ہمایوں کی آؤ بھگت کا چارج آپ ہی کو دیا گیا ہے۔“
”سوری۔ میں بھول گیا تھا۔ چلو آؤں گا۔“
اس نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ کل ہی تو ممتاز صاحب نے بڑی شفقت سے یہ ڈیوٹی میرے سپرد کی تھی۔

شام کو منہاج منزل پہنچ کر مجھے فردوسیہ سے معذرت کرنی پڑی۔ وہ جھلاتی ضرور مگر اتفاق سے اسی شام کسی سہیلی کے ساتھ اس کا بھی کہیں جانے کا پروگرام بن گیا تھا لہذا اطمینان کا سامن لے کر بولی:-
”چلو کوئی بات نہیں۔ کل ہی۔“

پھر وہ قد آدم آئینے کے سامنے اپنے میک اپ کی تکمیل پر متوجہ ہو گئی۔ میں مسجد پہنچا اور عصر پڑھ کر میوشن پر روانہ ہو گیا۔

واپسی میں دیر تو ہوئی ہی تھی۔ پارٹی خاصی ہنگامہ خیز رہی۔ واپس منہاج منزل پہنچتے پہنچتے گیا وہ بج گئے تھے مگر خائساں سے معلوم ہوا کہ بھائی بہن میں سے کوئی بھی اب تک نہیں آیا ہے۔
مجھے اس سے کیا سروکار ہو سکتا تھا۔ زمینہ طے

بگڑا تھا کہ اب میری کنجی مجھے بھی بند نہ ہو۔

منزل ان کی ہنر ہائینس کلب ہی رہا ہوگا۔
”ارے وہ تو اتفاق تھا“ ایساں میاں بولے منر
ارشاد اکیلی ہونے کی وجہ سے مجھے زبردستی ٹھڈیٹ لے
گئی تھیں۔“

”میں اعتراض نہیں کر رہا ہوں۔ میرا مقصود تو بس
یہ بتانا تھا کہ فردوسیہ بانو نے چغلی نہیں کھائی ہے۔“

وہ زور سے ہنسنے۔ فضول سی ہنسی۔ میں بھی خواہ
مخوہ ہنسا۔ مگر فردوسیہ نے نوٹس لئے بغیر چائے بنانی
شروع کر دی۔

ناشتے کے نصف گھنٹے بعد تک گپ شب ہوتی رہی
اس دوران میں میری زبان پر شاید مکہ تلاشی کا تذکرہ ہی
جاتا مگر عین وقت پر فردوسیہ نے آنکھوں سے بھی اشارہ
کیا اور منر کے نیچے سے میرے آنکھوٹھے کو بھی ٹھوکا دیا۔ عجوراً
مجھے بات ٹھما دینی پڑی۔

پھر ان دونوں کو کالج جانے کی تیاریوں میں مصروف
چھوڑ کر میں ڈیوٹی پر روانہ ہو گیا۔ شام کو لوٹا تو خلاف
معمول ایساں میاں گھر ہی پر نظر آئے۔ برآمدے میں
چائے کی میز پر دونوں بھائی بہن آمنے سامنے تشریف فرما
تھے۔ میں دور ہی سے سلام کرتے ہوئے زمینے کی سمت
جانے لگا تو فردوسیہ نے آواز دے لی۔

”ارے آئیے ملا بھائی۔ ادھر تو آئیے۔“

میں قریب پہنچا تو ایساں میاں بھی چمکے۔

”تم تو ملا بھائی غیروں کے غیر ہو کر رہ گئے ہو۔“

ایسا بھی کیا رکھ رکھاؤ۔“

”رکھ رکھاؤ۔ کیا مطلب؟“

”ارے تو بیٹھو نا۔ اب یہی دیکھ لو۔ بیٹھنے کے لئے“

بھی تھیں بیگانوں کی طرح کہنا پڑ رہا ہے۔“

”بھیا صاحب۔ میں اس وقت عصر پڑھتا ہوں۔“

تم دونوں تو نماز روزے سے فارغ ہی ہو۔“

”خدا سے ڈرو ملا بھائی۔ کیا اب کی رمضان میں تمھارے“

ہی سامنے میں نے تین روزے نہیں رکھے تھے۔“

پلنگ پر دراز ہو کر خیالی گھوڑے دوڑانے کے سوا
میں اور کیا کرتا۔ گھوڑے بھی تھوڑی دیر میں تھک کر بیٹھ
رہے اور نیند کی پیروں نے اپنے آنچل پھیلا دیتے۔ صبح
ناشتہ کی میز پر فردوسیہ کو اطلاع دی تو وہ اچھل پڑی۔
ایساں میاں ابھی غسل خانے میں تھے۔

”جھوٹ تو نہیں کہہ رہے؟“

”جلو جھوٹ ہی ہے۔ مگر بگڑے ہوئے نالے کی“

کیا تو چہرہ کریں گے۔“

”چپ۔۔۔ بھیا آرہے ہیں۔“ اس نے ہونٹوں پر
انگلی رکھی۔ ایساں میاں گنگناتے ہوئے داخل ہوئے پھر کچھ پر
نظر پڑتے ہی گنگنا ہرٹ سلام میں تبدیل ہو گئی۔

”وعلیکم السلام۔ اب تو جناب عالی نے شاید کسی
نارٹ کالج میں داخلہ لے لیا ہے۔“

”ارے نہیں ملا بھائی۔ دراصل دیر ہو ہی جاتی
ہے۔ بس یوں ہی۔“

”یونہی کیوں۔ ہنر ہائینس کلب تو اپنی دلچسپیوں کے
لئے خاصا مشہور ہے۔“

ان کے چہرے پر چھینٹ اور غصے کی ملی جلی ہنس
دوڑی مگر فوراً ہی ہنسنے میں تحلیل بھی ہو گئی۔

”تھیں کس نے بتایا۔ یہ ان بانو کی کارگزاری ہوگی۔“
انھوں نے فردوسیہ کو گھورا۔

”جی نہیں۔“ میں نے فردوسیہ کے چہرے پر گھبراہٹ
کے آثار دیکھ کر بر جستہ کہا ”میں نے خود حضور کو کلب میں
داخل ہوتے دیکھا تھا۔ شاید منر ارشاد آپ کے ہمراہ تھیں۔“

یہ کوری گھڑنت نہیں تھی بلکہ واقعی یہ نظر ایک دن
ٹیشن سے لوٹتے ہوئے میری آنکھوں نے دیکھا تھا کہ منر
ارشاد کی لمبی برد آن گارٹی گلی سے نکل کر رابرٹ سنز کی

دکان پر رکی۔ پھر وہ اور ان کے ساتھ ایساں میاں اتر کر
دکان میں گئے اور فوراً ہی کچھ خرید کر لوٹے۔ پھر گارٹی سہرا ب

روڈ پر روانہ ہو گئی۔ اس کے آگے میں نے قیاس کر لیا تھا کہ

فردوسیہ کے لہجے میں نغمت بھی تھی اور شکایت بھی۔
”معلوم ہے جیسے رکھے تھے۔ سارا گھر سر پر اٹھا
لیا تھا۔“

”پھر اس سے کیا۔۔۔ سر اپنا گھر اپنا۔ تم خدا کے
لئے بوریٹ نہ پھیلاؤ۔“

”بھی بات یہ ہے کہ تمہیں آخر اسی لئے تو اپنے یہاں
بسیا ہے کہ ہماری بے توفیقیوں کی تلافی تمہارے ناز روزے
سے ہوتی رہے۔“ ایسا میں نے معذرت کو مسکراہٹ میں
سمجھ دیا۔ شکایت یہ ہے کہ رات فردوسیہ کے اصرار پر بھی تم
اس کے ساتھ کچھ نہیں گئے۔ کیا قیامت ہو جاتی اگر چلے ہی
جاتے۔“

میں چونکا۔ فردوسیہ تو کل شام ذکر تک نہیں کیا
تھا کہ وہ کچھ جا رہی ہے۔ کچھ کہنے سے قبل میری نظر فردوسیہ کی
طرف گئی۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی گھبراہٹ تھی۔
”جناب کل تو ممتاز صاحب کے یہاں پارٹی تھی۔ مجھے ہی
نگراں بنایا گیا تھا۔ کیسے جاتا۔“

”خیر یہ ایک عذر مان لیا۔ مگر۔۔۔۔۔ اوہ غضب
ہو گیا۔ مجھے تو ٹھیک ساڑھے چار پر پہل صاحب سے ملنا
تھا۔“ انھوں نے گھڑی پر نظر ڈالی اور چلے آدھری چھوٹ
کر اٹھ گئے ”تم لوگ پو۔ میں چلتا ہوں۔“
اتنا کہہ کر وہ یہ جاوہ جا۔

”ہوں۔ تو جناب مجھ سے کچھ چلنے کا اصرار کیا تھا؟“
میں نے گڑھی کی لپٹ سے ٹیک لگا کر فردوسیہ کی آنکھوں
میں گھورا۔ اس کے چہرے پر ندامت سی لہرائی۔

”جناب کا بہت بہت شکریہ۔“ اس نے ندامت کو
شونہی میں حل کرتے ہوئے کہا ”مجھے معلوم تھا آپ انکار کریں گے
اس لئے گزارش نہیں کی تھی۔“

”کیوں۔ کیا میں نے تمہارے ہمراہ ”نیک پروین“ نہیں
دیکھی تھی؟“

”وہ نیک پروین تھی ملا بھائی۔ کل نہیں ہالی دڈ کی
”نشی“ رکھتی تھی۔۔۔۔۔۔“

”ہیں۔۔۔۔۔؟“
”ہاں۔ شاہینہ، نرگس اور میں۔ آپ ظاہر ہے انگریزی
فلم کیا دیکھتے۔ پھر آپ کو تو پارٹی کی بھی خبر ہی تھی۔“
”وہ سب ٹھیک ہے۔ مگر یہ سنو کہ تمہیں صد مہہ پہنچے گا کہ
”نشی“ کی پوری اسٹوری میں نے ایک صاحب سے سن رکھی ہے۔
وہی نا جس کے عیاں مناظر پر بعض اخباروں میں لے دے ہوئی
تھی۔“

فردوسیہ کی آنکھوں میں جیسا جھلکی۔
”مجھے کیا معلوم تھا کہ اس میں کیا ہے۔ شاہینہ اور نرگس
کئی دن سے تعریفیں بگھا رہی تھیں۔ یہ میری کلاس فیلو ہیں۔“
”مگر تم نے ایسا میں سے جھوٹ کیوں بولا۔ وہ نہ
چلنے میرے بارے میں کیا سوچیں۔“

اب سوچیں گے کیا۔ دراصل وہ میرا بغیر کسی سر پرست کے
کچھ جانا پسند نہیں کرتے۔ جب میں نے کہا کہ ملا بھائی اصرار
کے باوجود ساتھ نہیں چلے تب انھیں کچھ صبر آیا۔ صبر بھی کیا آیا۔
کسی وجہ سے برداشت ہی کر گئے ورنہ ہزار سناتے۔“

”کسی وجہ سے؟“ میں نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔
”ہاں۔۔۔۔۔ وجہ ہے۔ اور ہاں۔۔۔۔۔ خاکسار نے

آپ کے چور کا سراغ بھی لگایا ہے۔“
میں چونک کر سیدھا ہو بیٹھا۔

”سیخ!۔ کون ہے؟“
”بیٹا۔“

”ایسا میںاں۔؟“
”ہاں۔ مگر تم ان پر ظاہر نہیں کر دو گے کہ۔۔۔۔۔“

”قطعاً نہیں کروں گا مگر وجہ تو بتاؤ۔ انھیں میس کرے
سے کیا چلتے تھے۔۔۔۔۔۔“

دفعاً خالہ صفیہ ادھر آنکلیں۔ انھوں نے آنکلیوں میں
تھامی ہوئی سوئی میری طرف بڑھاتے ہوئے ایک آنکلی میرے
آگے کر دی۔

”بیٹا۔ پھانس نکال دو۔ مجھ اندھی سے نکلتی ہی نہیں۔“
”لائیے میں نکال دوں۔“ فردوسیہ نے کہا اور سوئی لے لی

یہ رویہ میرے لئے حیرتناک تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ خالہ کی اچانک آمد کو وہ ”دخل در عقولت“ کا نام دے کر ابل پڑے گی لیکن اس وقت اس کے لہجے میں احتجاج تک نہ تھا۔ بڑی سعادت مندی سے بھانسن نکالنے پر متوجہ ہو گئی۔

بھانسن نکل گئی مگر ابھی خالہ واپس نہیں گئی تھیں کہ خالہ کی آواز آئی۔

”آب کا تار ہے تارا صاحب۔“

دستخط کر کے تار لیا۔ نگاہ ڈالی تو دل دھکے سے ہلکا رہ گیا گھر سے اطلاع آئی تھی کہ تمھاری ماں سخت بیمار ہیں فوراً پہنچو۔ اس اطلاع کا اثر دماغ پر کچھ ایسا ہوا کہ چوات چل رہی تھی ادھوری چھوٹ گئی۔ خالہ بھی جاتے جاتے ٹھہر گئی تھیں اور رسمی باتوں کا سلسلہ چل نکلا تھا۔

”میں ابھی جاؤں گا۔ سات چالیس پر ایک گاڑی جاتی ہے۔“

”ماں بیٹا فوراً جاؤ۔“ خالہ نے کہا۔

”کیا پتہ تمھیں بلانے کے لئے خواہ خواہ تار دیا گیا ہو۔“

فردوس بہ بولی۔

”جو کچھ بھی ہو۔ مجھے بہر حال جانا چاہیئے۔“

وقت کم تھا۔ جلدی جلدی کبس ٹھیک کیا۔ قریبی پول پہنچ کر

متناز صاحب کو اطلاع دی کہ یہ یہ قصہ ہے وطن جا رہا ہوں۔

بُری بھلی تار پڑھی۔ پھس مومو اچھ بچے رخصت ہوا۔ رخصت ہوتے ہوئے فردوس بہ سے پوچھا بھی تھا کہ مختصر اُس بات کو

پورا کرو۔ الیاس میاں کو آخر کس شے کی تلاش تھی اور کونسی

وہ چیز ہو سکتی ہے جو وہ مجھ سے مانگ نہیں سکتے تھے۔ مگر خالہ

اس وقت قریب ہی موجود تھیں۔ فردوس بہ نے کہا۔

”بات مختصر نہیں مہی ہے۔ میں نے کہا تھا نا اس دن کہ

ایک اچھے ہوئے مسئلے پر تم سے بات کرنی ہے۔ بس اسی سے

اس قصے کا بھی تعلق ہے۔ جلدی لوٹ کر آنا بھی سب کچھ بتا

دوں گی۔“

میں سوئے رخصت ہو جانے کے کیا کرتا۔

پورے سفر میں والدہ کی بیماری اور الیاس میاں کی

پراسرار حرکت کے خیال میں اللط پلٹ جا رہی رہی۔ گھر پہنچا تو تاریخ صحیح ثابت ہوا۔ والدہ پر شدید اختلاج کا حملہ ہوا تھا۔ حکیم ڈاکٹر کا چکر بندھا ہوا تھا۔

پورا ایک ہفتہ یہیں گزار گیا۔ شکر ہے والدہ صحتیاب ہو گئیں۔ والد صاحب نہیں چاہتے تھے کہ اب میں لوٹ

کر جاؤں۔ وہ میری ڈاڑھی پر بھی معترض تھے کہ یہ اتنے

دنوں میں بڑھی کیوں نہیں۔ میں ان سے تو کچھ نہ کہہ سکا مگر قریب

سے ضرور کہا کہ پیاری بھوتو اب کی تم بہانے سے میری ڈاڑھی

ناپ کر سائز نوٹ کر لو۔ جب دوبارہ آؤں گا تو دوبارہ

ناپ کر ابا صاحب کو بتانا کہ کتنا شاندار اضافہ ہوا ہے۔

وہ کہنے لگی۔ ”بھیا باتیں کتنی ہی بناؤ مگر تم نے ڈاڑھی

کو طوائی ضرور ہے۔ اب تو اتنی بھی نہیں ختمی یہاں سے لیکر

گئے تھے۔“

”تم لوگ آخر چاہتے کیا ہو۔ میں سکھوں کی طرح ڈاڑھی

کا ایک بال بھی نہ کٹواؤں؟“

”خدا سے ڈرو بھیا۔ یہ تو ابامیاں کی ڈاڑھی پر

طنز ہوا۔“

”غلط کہتی ہو۔ ابامیاں تو بہر مہفتہ خط نبواتے ہیں۔“

”پھر بھی ان کی ماشاء اللہ خوب گھنی ہے۔“

”انھوں نے روپے کا چار سیر والا اصلی بھی کھا رکھا

ہے۔ اب کو کو جم کے زمانے میں گھنی ڈاڑھیاں کہاں

آگتی ہیں۔ تم اپنے بال دیکھو۔ چوٹی باندھ کر بھرم رکھتی ہو

درد نہ گنجی ہی کہلاؤ۔“

”نوح میں گنجی ہوں۔“ وہ ہرمان گئی ”چلو خیر۔“

ڈاڑھی پر تو ابامیاں کو زیادہ تشویش نہیں۔ بڑی تشویش یہ

ہے کہ تم آوارہ گرد بن جاؤ گے۔ ایک دن انجی سے کہہ لے ہے

تھے کہ یہ جہنمی لڑکا میری آزمائش ہے۔ عاق کرنا اگر اسلام

میں کوئی تمہاری رکھتا تو میں اسے ضرور عاق کر دیتا۔“

”پھر انجی نے کیا کہا؟“

”وہ کہنے لگیں خدا آپ کو نیک توفیق دے۔ اتنے

وہ دفعتاً بولی ”مجھے اس وقت ذرا جانا بھی ہے۔“

”کہاں؟“

”ایک سہیلی سے وقت طے ہے۔ تم سے بھیاجب کہہ سن لیں تو مجھے بھی بتانا۔“

”کیسی عجیب باتیں کر رہی ہو۔ کچھ تو بتاؤ آخر چلے کیا ہے۔ تم اور الیاس میاں میں شاید بول چال بھی بند ہے۔“

”پرسوں ہم اتنے بول لے گئے کہ اب کئی دن بھی نہ بولیں تو علاوہ واقع نہیں ہوگا۔ اچھا جناب سلاما لیکم۔“

اس نے دوپٹہ گلے میں ڈالا اور چل دی۔ میرے لئے اس گھر میں اس نوجوان کا انداز بالکل نرالا تھا۔ جی ہیں تو آئی کہ اس کی پیشکش کے مطابق میں بھی ساتھ ساتھ چل دوں مگر قدم نہیں اٹھے۔ بجائے اس کے ساتھ چلنے کے میں خالہ صفیقہ کے کمرے میں پہنچا۔ وہ چھائیہ کتر رہی تھیں۔ چہرہ پر مردہ تھا۔

”آؤ بیٹا۔ خدا تمہیں سلامت رکھے۔ سن تو لیا ہوگا کیا انہونی ہو رہی ہے۔“

”نہیں خالہ۔ میں بالکل لاعلم ہوں۔“

”پوچھو پتہ تو مجھے بھی نہیں ہے۔ مگر ہنہ گزہ ساققتہ۔“

بھائی بہن کئی دفعہ تیزم تازی کر چکے ہیں۔ اب شاید بول چال بھی نہیں۔“

”آخر کیسا گندہ قصہ۔“

”تمہارے جانے کے دو ہی دن بعد بیٹیا کی ایک نئی سہیلی

یہاں آنے لگی تھی۔ اب بھی آتی ہے۔ بھلا سانا مہ ہے۔ زابہ

پر دیں۔ کچھ تو اسی کا معاملہ ہے کچھ اور بھی ہے۔ کسی رشید اختر کا

نام بھی الیاس کی زبان پر آیا تھا۔ وہ شاید اس لڑکی کا بھائی ہے۔“

اتنے میں الیاس میاں صدر ذروانے پر نظر آئے۔ میں

اٹھ کر برآمدے میں پہنچا۔ پھر چند لمحے بعد ہم دونوں لان کے ایک

گوشے میں گھاس پر بیٹھے تھے۔

”کیا ہو رہا ہے سب کچھ۔“ میں نے ان سے سوال کیا۔

”فردوسہ نے تمہیں کچھ نہیں بتایا؟“

”بالکل نہیں۔“

”کیوں بتائے گی۔ میں تو ملا بھائی تمہارا سخت منتظر

اچھے بچے کو خواہ مخواہ بیڑنا کرتے ہیں۔ ارے میرے لئے جیسا تو خاندان بھر میں کوئی دکھا بھی دو۔“

”زندہ باد اچی جان۔ پھر ابامیاں کہا بولے؟“

”بولے کیا۔ منے کا لفظ ایسا بڑا عا مٹھ بنا کر دہرایا

جیسے کڑوی گولی نکلے ہو۔ پھر عاجز آئے ہوئے لہجے میں کہنے

لگے کہ خدا کے لئے اختلاج نہ ڈال لینا۔ تمہارا مثالا کھوں میں

ایک ہے۔ کروڑوں میں ایک ہے خدیت کہیں کا۔“

”خدیت“ کی غائبانہ داد میں نے تھپتھپ سے دی۔ تیرہ

بھی سنسی۔ پھر اتنی ادھر آنکلیں تو مجھے سینے سے لٹایا اور

کہنے لگیں کہ بیٹا! اپنے باپ کی ڈانٹ ڈپٹ کا برانہ مانا کر۔

ان کی تو ہمیشہ سے عادت ہی ایسی ہے۔ نوکری اچھی خاصی

ہے تو چھوڑے کیوں۔ ہاں جی آگتا جائے تو چھوڑ آنا۔

ٹھیک اکتیسویں دن پھر میں ”منہاج منزل“ میں تھا۔

وہی خالہ صفیقہ۔ وہی مانوس ماحول۔ مگر ایک عجیب سی

تبدیلی بھی نظر آئی۔ الیاس اور فردوسہ باہم کھپے تھے سے

تھے۔ موقع پا کر پہلی ہی فرصت میں میں نے فردوسہ سے پوچھا

کہ قصہ کیا ہے۔ بیزاری کے سے انداز میں کہنے لگی۔

”مجھ نہیں۔ ایک دو دن میں خود دیکھ لو گے۔“

”مگر تم نہیں بتاؤ گی۔“ میں نے شکوہ کیا۔

”میں بھی بتا سکتی ہوں۔ مگر موضوع ایسا ہے کہ تم شاید

ناک بھوں چڑھاؤ۔“

”کوئی حرج نہیں۔ ناک بھوں چڑھانا تو فقط نزلہ

زکام کی علامت ہے ہارٹ اٹیک کی نہیں۔“

”چلو پھر یہاں سے چلو۔ قصہ خاصا لمبا ہے۔“

”کہاں چلو۔ یہاں کون زبان پکڑ رہا ہے۔“

”کہیں بھی چلیں گے۔ یہاں خالہ ذخیل ہو سکتی ہیں۔“

میں سوچ میں پڑ گیا۔ اس کا موڈ عجیب تھا۔ بغاوت

چھلا ہرٹ، بیچ و تاب۔ سبھی کچھ تو تھا اس کے لب و لہجے

میں۔ کیا اسے ساتھ لے کر ”آدارہ گردی“ کرنا مناسب ہوگا؟

”میرا خیال ہے بھیا خود تم سے سب کچھ کہیں گے۔“

تھا۔ تم ہی کچھ کر سکتے ہو۔“
 ”بتاؤ بھی تو کچھ۔ خالہ تاکے تو کچھ بتا نہیں چلا۔“
 ”فردوسہ بھٹک گئی ہے۔“ وہ کربناک لہجے میں
 بولے۔

میرے ہیچے پر جیسے گھونسا پڑا۔
 بھٹک گئی ہے۔ کیا مطلب؟“

”ایک صاحب ہیں رشید اختر۔ ان سے رومان لڑ رہا
 ہے۔ میں نے سرز نش کی تو نام ہونے کے بجائے مقابلہ پر آگئی۔“
 ”وہی رشید اختر زاہدہ پرویں کے بھائی؟“
 ”ہاں“ وہ چونک پڑے۔ ”تم کیسے جانتے ہو۔“
 ”جاننا نہیں ہوں۔ خالہ بتا رہی تھیں کہ کوئی زاہدہ
 پرویں یہاں آنے لگی ہیں۔ ان کے بھائی صاحب کا نام بھی
 کسی وقت تمھاری ہی زبان پر آیا ہو گا۔“
 ان کے چہرے پر کئی طرح کے جذبات کی پرچھائیاں
 لڑیں۔

”بے شک وہ لڑکی یہاں آتی ہے۔ وہ دراصل فردوسہ
 کی کلاس فیلو ہے۔ مگر ملا بھائی۔ تم ہی بتاؤ ہم مردوں کا
 معاملہ کہاں اور لڑکیوں کا کہاں۔ تمہیں فردوسہ بہت
 کچھ سچ جھوٹ بتائے گی۔ مان لو وہ سب سچ ہی ہو گا۔
 سے کہو میں یا تم اگر کوئی لغزش ہی کر جائیں تو کیا اس کی تقلید
 ہمارے ہینوں کو بھی کرنی چاہیے۔“

”میرا خیال ہے الیاس میاں۔ آپ خود ہی واقعات
 کی تمام کڑیاں بیان فرمادیں تاکہ فردوسہ کی غلط بیانی
 مجھے گمراہ نہ کر سکے۔ میں پوری آگاہی کے بغیر کیا مدد کر سکتا ہوں۔“
 وہ چند ثانیے خاموش رہے جیسے ذہنی تشکش میں مبتلا ہوں
 پھر طویل سانس لے کر کہنے لگے۔

”واقعات بس یہ ہیں کہ زاہدہ فردوسہ کے ساتھ ایک
 دن یہاں چلی آئی تھی۔ اس کی کلاس فیلو ہے نا۔ لڑکی بڑی
 شائستہ ہے پہلی ہی ملاقات میں مجھ سے خاصی بے تکلف ہو گئی
 پھر ایک دو بار اتفاقاً ہی راستے میں بھی اس سے ملنا ہو گیا۔
 اس طرح بے تکلفی بڑھی۔ یہاں آنا جانا بھی جاری رہا۔ ایک دو

بار ہم ساتھ سینا بھی گئے۔ بس یہ ہے کل واقعہ۔ اسے نظیر بنا کر
 فردوسہ حماقت میں مبتلا ہو گئی ہے۔ حالانکہ اب زاہدہ کو میں
 یہاں آنے جانے سے روک دیا ہے اور باہر بھی کم ہی ملاقات
 کرتا ہوں مگر فردوسہ اپنی حماقت سے باز آنے کو تیار نہیں۔“
 ”تعجب ہے۔ وہ پہلے تو کبھی تمھارے مقابلہ پر نہیں آئی
 تھی۔ کیا رشید میاں بھی آتا ہے؟“

”نہیں۔ فردوسہ ہی اس کے پیچھے دوڑی پھرتی ہے۔
 قلیل سی مدت میں ان کا رابطہ ضبط بہت بڑھ گیا ہے۔“
 ”وہ تو ہوتا ہی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں تم دونوں ایک
 دوسرے سے بول بھی نہیں رہتے ہو۔“

”ہاں۔ تمھارے پیچھے ہم بھائی ہینوں میں کئی بار ٹوک
 جھونک بھی ہوئی ہے۔ آخر فردوسہ کی تباہی کو میں ٹھنڈے پیٹوں
 کیسے برداشت کر لوں۔ خدا کے لئے تم کچھ کرو۔“

”غور کروں گا کہ کیا کر سکتا ہوں۔ فردوسہ جب تمھاری
 ہی نہیں سنتی تو میں کس گنتی میں ہوں۔ مگر عزیزم فردوسہ کے
 مزاج میں یہ اچانک انقلاب حیرت انگیز ہی ہے۔ وہ تو تمھاری
 فریاد داری بیٹی کی طرح کہتی تھی۔“

”اب میں کیا بتاؤں۔ اس کا تو دماغ ہی اک دم
 اُلٹ گیا ہے۔“

اگلے دن آفس کا کام وقت معینہ سے کچھ قبل ہی چھوڑ کر
 میں فردوسہ کے کالج کی طرف چل دیا۔ گھر پر اس سے گفتگو کا
 موقع نہ مل سکا تھا۔ موقع ملتا بھی تو اس کی مرضی کب تھی کہ پیش
 نظر موضوع گھر میں زیر بحث آئے۔

کالج کے صدر دروازے کے بالمقابل ایک چائے کا ہوٹل
 تھا جہاں بیٹھ کر روانے پر نظر رکھی جا سکتی تھی۔ میں ہاں جا
 بیٹھا۔ کالج کی چھٹی میں نصف گھنٹہ باقی ہو گا۔ چھوٹا سا ہوٹل
 تھا۔ چائے لے کر ابھی میں نے میز پر پڑا ہوا اخبار سنبھالا ہی تھا
 کہ ہوٹل کے مہمانے ایک ٹیکسی مری اور اس میں سے ایک لڑکی جوان
 اتر کر ہوٹل میں داخل ہوا۔ یہ سوٹ بوط میں ملبوس ایک
 دلکش جوان تھا۔ اس نے ایک سرسری سی نظر میزوں پر ڈالی

اور ایک خالی میز گھیر کر چائے کا آرڈر دیا۔ رُخ اس کا میری ہی طرح دروازے کی سمت تھا اور چند ہی منٹوں میں مجھے بلاؤ ہو گیا کہ وہ بھی میری ہی طرح کسی کا انتظار کر رہا ہے۔ اس کی آنکھیں کالج کے گیٹ کی طرف منگراں تھیں۔ کالج کے گیٹ سے لڑکوں اور لڑکیوں کے غول نکلنے لگے تو فردوسیہ بھی ان میں نظر آئی۔ اگلے ہی منٹ وہ سڑک کر اس کے پاس ہوئی۔

اب مجھے یقین ہو گیا کہ یہی نوجوان رشید اختر ہے۔ وہ اپنی میز سے اٹھ کر کاؤنٹر تک گیا۔ پھر اس کی نوبت نہیں آئی کہ فردوسیہ ہوئی میں داخل ہو کر مجھے دیکھے۔ اس کی نگاہ سے بچنے کے لئے میں اخبار منہ کے سامنے پھیلاتے ہوئے تھا۔ ٹیکسی ابھی گئی نہیں تھی۔ وہ دونوں اس میں بیٹھ کر رخصت ہو گئے۔ ظاہر ہے یہ سب کچھ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق رہا ہو گا۔ میں منہ لٹکانے ہوئی سے باہر نکلا۔ رگڑوں میں اپنی گردش تیز تر محسوس ہو رہی تھی۔ بھیجا گرم تھا۔ بجائے منہاج منزل جانے کے میں لہنی بے مقصد سڑکوں پر بھٹکتا رہا۔ پھر غروب آفتاب کے بعد ایک لان پر مغرب کی نماز پڑھی اور پھر پیدل ہی چل دیا۔

لارنس گارڈن کے بس اسٹینڈ تک پہنچتے پہنچتے میں تھک چکا تھا۔ ٹیکسی اس پاس نظر نہیں آئی لہذا اس ہی کا انتظار کرنے لگا۔ اتنے میں فردوسیہ اور وہ نوجوان پھر نظر آئے۔ وہ گارڈن کے گیٹ سے باہر نکلے تھے۔ سڑک پار کر کے وہ بس اسٹینڈ ہی تک آ پہنچے۔ میں نے رُخ بدل کر ٹیکسی کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ دیر مدھم آواز میں باتیں کرتے رہے پھر نوجوان رخصت ہو گیا اور فردوسیہ آگے بڑھ آئی۔ اسٹینڈ پر اس وقت چار پانچ آدمی اور تھے۔ دو عورتیں بھی تھیں۔ فردوسیہ ٹیڈ میں داخل ہوئی تو میں اچانک سامنے آ گیا۔

”اوہ تم!“ وہ چونک پڑی۔

”ہاں۔ ادھر کام آیا تھا بس کے انتظار میں ہوں۔“

تم ادھر کہاں؟“ اس نے جواب دینے کے عوض مجھے گھورا۔ پھر مسکرا کر بولی:-

”بندرت۔ ابھی رشید صاحب کو یہاں سے رخصت ہوتے ہوئے تم نے ضرور دیکھا ہو گا۔“

”مجھے کیا خبر وہ رشید صاحب تھے۔ آدمی تو شریف معلوم ہوتے ہیں۔“

”طنز کی زحمت اٹھاؤ۔ وہ یقیناً شریف ہی آدمی ہیں۔ کم سے کم بھیا سے زیادہ شریف ہیں۔ اتنے میں بس کی لائٹ نظر آئی۔“

”کیا تم پسند کرو گی کہ یہ بس مس کر دی جائے؟“

”میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔“

”کوئی مضائقہ نہیں۔ آؤ سامنے گارڈن میں بیٹھیں گے۔ گیٹ کے پاس ہی بیٹھ جئے۔“

گارڈن میں اب بھی کچھ لوگ نظر آ رہے تھے۔ روشنی بھی خاصی تھی۔ گیٹ کے پاس والی بیچ خالی ہی نظر آئی۔ بیٹھتے ہی فردوسیہ نے کہا:-

”اب سناؤ بھیا نے کیا کیا بتایا؟“

”یہی کہ تم وہ کچھ کر رہی ہو جس کی انھیں کوئی توقع نہیں تھی۔“

”اور وہ خود کیا کر رہے ہیں؟“ فردوسیہ تڑختی۔

”وہ مرد ہیں۔ اور تم لڑکی ہو۔“

”یہ کیا بات ہوئی۔ میری طرح زاہدہ بھی تو ایک لڑکی ہی ہے۔“

”زاہدہ کو تم خود گھر لاتی تھیں یہ سب سے بڑی غلطی تھی۔“

”تو یہ بتایا ہے بھیا نے تمہیں۔ ذرا دہراؤ اٹھو۔“

”نے کیا کیا بتایا ہے۔“

”یہی کہ زاہدہ جب تمہارے ہمراہ منہاج منزل آنے جانے لگی تو انھیں بھی اس سے دلچسپی پیدا ہو گئی اور دلچسپی نے قدرتی طور پر جذباتی رُخ اختیار کر لیا۔ بس۔۔۔“

فردوسیہ کھلکھلا کر منہسی۔ یہ منہسی مسخرا اور طنز سے لبریز تھی

”تمہارے بھیا کو میرا کیا بڑا پڑا تھا۔ مگر تم کہتی ہو انہوں نے جھوٹ بولا۔“

”وہ تمہیں اندھیرے میں رکھنا چاہتے ہیں۔“
”خیر آگے کہو۔“

”مجھے ابتداء آچیا آئی تھی۔ تنفر بھی پیدا ہوا تھا مگر جب آکسوں بھیا ہی باتیں کرنے لگے تو میری ذہنی کیفیت بدلنے لگی۔ زاہدہ سے میری خاصی بے تکلفی تھی۔ میں جب بھی جاتی بھیا سے اسے ملوادیتی۔ مگر طبیعت کی ہچکچاہٹ کی وجہ سے میں پہلو تہی کرتی رہی۔ بھیا سے جھوٹ بولدیتی کہ وہ کسی طرح ہمارے گھر آنے پر آمادہ نہیں ہے۔ بھیا اور کئی طرح کی ترکیبیں بتاتے مگر میں ان پر عمل نہ کرتی اور بھیا کو یہ باور کراتی رہتی کہ زاہدہ بڑی محتاط اور خشک لڑکی ہے۔ وہ بالعموم مردوں سے نفرت کرتی ہے۔“

وقت گذرتا رہا۔ میرے دل و دماغ میں ایک کشمکش برپا تھی۔ بھیا کا بڑھتا ہوا اصرار تھا خاکہ رہا تھا کہ تعارف پیدا کرنا ہی دوں مگر دل کہتا تھا کہ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ اسی طرح کئی چینیے گذر گئے۔ آخر کار ایک بار میں نے زاہدہ سے فرمائش کر ہی دی کہ میرے گھر چلو۔ وہ بلا جھجک آمادہ ہو گئی۔ مجھ اس سے بجائے خوشی کے گھٹن سہی تھی اور خود ہی میں پر دگراؤ ٹلا دیا تھا وہ جھلاہٹ اور تنگ مزاجی جس کی شرکایت تھیں میری ذات سے خالہ کے محلے میں پیدا ہوئی تھی وہ دراصل اسی طویل ذہنی کشمکش کا رد عمل تھا۔ میں ارادہ کر رہی تھی کہ تم سے مشورہ کروں۔ مگر معاملہ ایسا تھا کہ تم سے کہتے ہوئے بھی تامل ہوا۔“

”لیکن الیاس میاں نے میرے کرے کی تلاشی کیوں کی تھی؟“
”یا گل بن۔ یاد کرو ایک بار تعویذ یا گنڈوں کا تذکرہ چل رہا تھا تو تم نے شہ شہ چھوڑا تھا کہ نفرت اور محبت کے عجیب نقش تمہاری بیاض میں موجود ہیں۔ مجال نہیں کہ خطا کرنا میرے بس ہی بیاض بھیا اڑانا چاہتے تھے۔ ان میں یہ ہمت تو تھی نہیں کہ تم سے اپنے عشق کی کہانی بیان کر کے نقش لکھو میں یقین میں دلا ہی چکی تھی کہ زاہدہ ان سے نفرت کرتی ہے۔“

”مجھے یقین تھا وہ تم سے سچ نہ بول سکیں گے۔ مگر اتنا زیادہ جھوٹ بولیں گے یہ بھی امید نہیں تھی۔“
”پھر تم بتاؤ سچ کیا ہے؟“
”تم نے ان سے یہ بھی پوچھا کہ تمہارے کمرے میں وہ چوروں کی طرح کیا ڈھونڈتے پھر رہے تھے؟“
”نہیں پوچھا۔ گھر کا ماحول اور تم لوگوں کا موڈ ہی دفعتاً ایسا بدلا ہے کہ میں نروس ہو کر رہ گیا ہوں۔ یہ بتاؤ وہ کیا ڈھونڈتے پھر رہے تھے؟“
”ضرور بتاؤں گی۔ مگر کہانی ترتیب سے منو تو ٹھیک طرح سمجھ میں آئے گی۔“

”سننا ڈالو۔ میں تو احمق بن کر رہ گیا ہوں۔“
”زاہدہ میری کلاس نیلو ہے۔ یہ نشاید چھ چینیے پہلے کی بات ہے جب بھیا نے ایک دن دفعتاً زاہدہ کا تذکرہ مجھ سے بڑی دلچسپی کے ساتھ کیا تھا۔ میں نے اسے کوئی خاص معنی نہیں دئے تھے پھر دفعتاً وقتاً وہ اس کا ذکر چھیڑ دیتے اور ان کی خواہش ہوتی کہ یہ ذکر طویل کھینچ جائے۔ آخر کار میں نے محسوس کر ہی لیا کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ ان کی خواہش تھی کہ میں انہیں کسی بھی طرح زاہدہ سے متعارف کراؤں۔ اپنے طور پر بھی وہ اس سے تعلق پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ آسان شکل ان کی نظر میں یہ تھی کہ میں اسے منہاج منزل لے آؤں۔ یہ بے شک دشوار نہیں تھا مگر مجھے تامل سا رہا۔ ٹلاتی رہی وقت گذرتا رہا۔ پھر ایک دن آیا جب بھیا نے صاف ہی مجھ سے کہا کہ فردوسیہ میری حالت سمجھنے کی کوشش کرو۔ زاہدہ میرے دل و دماغ پر اس طرح چھا گئی ہے کہ اگر قرب کی کوئی صورت پیدا نہ ہو سکی تو میری تعلیم اور صحت پر بادل ہو جائے گی۔“

”تم سچ کہہ رہی ہو؟“ میں نے ٹوکا۔ مجھے عجیب سا معلوم ہوا تھا کہ ایک بھائی تو جوان بہن سے اس طرح کی بات کہے۔
”جھوٹ وہ بولتا ہے جسے ڈر ہو یا جو دھوکا دینا چاہیے۔ میں جھوٹ کیوں بولوں گی۔“

باتیں سن رہا تھا۔ خاتمہ کلام اس نے ایک ایسے سوال پر کیا تھا جس کا میرے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

”یہ سناؤ۔ انجام بھی کچھ سوچا ہے؟“ میں نے اسکی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

”آنے والے کل کی بات کوئی نہیں جان سکتا۔ میری مثال اُس تنکے کی سی ہے جو پانی کی رو پر بلا ارادہ بہا ہے۔“

”زندگی فلسفہ نہیں ہے فرد سیدہ بانو ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ کیا تم نہیں جانتیں کہ رومانس کے نظریہ پر دے کے پچھے کیا ہوتا ہے۔“

”مجھے یقین تھا تم اخلاقیات کا دفتر ضرور دیکھ لو گے۔“

”مگر اخلاقیات کے بغیر انسان اورہ انور میں تمیز کیسے کی جا سکتی ہے۔“

”بس اٹھو وقت کافی ہو چکے ہے۔ بھوک لگنے لگی ہے۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں نے بھی تقلید کی۔

اگلی صبح ناشتہ کے بعد فرد سیدہ کالج کے لئے رخصت ہوئی تو ایسا میاں اُپر میرے کمرے میں پہنچے۔ میں آنس جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ وہ مضحک سے انداز میں مہری پر ہنسی لگے اور کہنے لگے۔

”رات بھی فرد سیدہ گیارہ کے بعد آئی تھی۔“

”غیرت آہی گئی تھی۔“ میں نے کمرے بن سے کہا ”دنہ“

کوئی عجب نہیں کہ کسی رات وہ آئے ہی نہیں۔“

ان کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ بھویں تن گئیں۔

”تم بھی اس قسم کی بات کر رہے ہو۔“ ان کے ہاتھ میں شدید احتجاج تھا۔

”پھر کس قسم کی باتیں کروں۔ تم اب تک نہیں سمجھ

سکے کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کی ذمہ داری تم پر ہے۔“

”مجھ پر ہو یا کسی پر بھی ہو۔ میں اب یہ برداشت نہیں

کر سکتا۔“

”کرنا پڑے گا۔ قدرت نے تمہارے آگے آئینہ

رکھ دیا ہے۔ آئینے پر تارا دکھاؤ گے تو اپنا ہی معرہ برباد

وہ اس نفرت کو محبت میں بدلنے کے لئے تعویذ کی تلاش میں تھی۔“

”تعویذ، انھیں تعویذ گنڈوں پر اتنا اعتماد کیسے ہو گیا۔“

”دریا پار کرنے کے لئے آدمی تنکے کا بھی سہارا لیتا ہے۔“

”خیر پھر کیا ہوا؟“

”دوسرے دن کی تلاشی کے بعد جب تمہارے کس میں

بھی انھیں بیاض نہ ملی تو انھوں نے مجھ پر زور دیا کہ

کسی نہ کسی طرح تم سے کوئی جُرب نقش جا مل کروں۔ اسی سے

میں سمجھ گئی کہ تمہارے کمرے کی تلاشی کس کا کارنامہ ہے۔

بھیتا کو جتایا تو انھوں نے اعتراف بھی کر لیا۔ اب اچانک

تمہاری والدہ کی بیماری کا تارا آتا ہے اور تم چلے جاتے ہو۔

اس سے بھینسا کو بڑی مایوسی ہوتی ہے۔ وہ بہت ہی افسردہ

نظر آتے ہیں تو آخر کار میں بھی فیصلہ کر ہی لیتی ہوں کہ زاہدہ

کو گھر لاؤں گی۔ اگلے روز زاہدہ سے فرمائش کرتی ہوں تو

پہلے ہی کی طرح وہ پھر بلا تکلف تیار ہو جاتی ہے۔ مگر یہ بھی کہتی

ہے کہ کالج ختم کر کے تم میرے ساتھ میرے گھر تک چلی جاؤ ہاں

اتنی کو اطلاع دے کہ میں تمہارے ساتھ چلی جاؤں گی۔ ایسا نہ

کیا تو اتنی پریشان ہوں گی کہ زاہدہ کہاں گئی۔ اس پر ظاہر ہے

مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اس نے گھرے جا کر میری خوب

خاطر مدارات کی۔ اس کی اتنی بھی بڑی شفقت سے پیش آئیں اور

تجھی پہلی بار اس کے بھائی رشید اختر سے میرا تعارف ہوا۔ اب

آگے اس سے زیادہ کوئی تفصیل بیان کے قابل نہیں، اگر زاہدہ

کا ہمارے گھر پہنچنا جس طرح اس کے اور بھیتا کے جذباتی تعلقاً

کا سنگ بنیاد ثابت ہوا اسی طرح میرا زاہدہ کے گھر پہنچنا میرے

اور رشید صاحب کے درمیان ایک روحانی رشتے کی نشوونما کا

ذریعہ بنا۔ بھیا خود تو زاہدہ کے ساتھ کچھ بھی جاتے ہیں۔ ادھر

ادھر سیریں بھی کرتے ہیں مگر میری اور رشید کی دوستی پر بظہیر

سخت اعتراض اور عقہہ ہے۔ تجھی انصاف کرو ملا بھائی۔ یہ

کیسی منطق ہے کہ وہ زاہدہ سے پننگیں بڑھائیں تو کوئی قباحت

نہیں مگر زاہدہ کا بھائی میری ذات میں دلچسپی نے تو یہ بات

ان کے لئے بد سے بدتر بن جائے۔“

میں لان کی گھانسیں پر نظر بن جائے بڑی محویت اس کی

کر لو گے۔“

”مجھے توقع تھی کہ تم کچھ کر سکو گے۔ مگر.....“

”میں آخر کیا کروں۔۔۔ چھوٹے بھائی یہ چاقو چھری کی جنگ نہیں ہے۔ تم ہی بناؤ میں کیا کر سکتا ہوں؟“

”تمھاری کوئی بات فردوسیہ سے ہوئی؟“

”تفصیل سے ہوئی۔ اسی لئے تو میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کمان سے نکلا ہوا تیر واپس نہیں آسکتا۔ میرا تو مشورہ ہے کہ فردوسیہ اور رشید کا رشتہ طے کر دو۔ یہی واحد علاج ہے۔“

”وہ تو بعد کی بات ہے۔ ویسے امکانات بعد میں بھی نہیں ہیں۔ دونوں گھروں میں کوئی خاندانی رشتہ تو ہے نہیں۔ وہ لوگ سید ہیں اور ہم پٹھان۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے روشن خیال ہونے کے باوجود وہ لوگ خاندانی ان کے معاملے میں بڑے محتاط اور تنگ نظر واقع ہوئے ہیں۔“

”پھر تو تمھارا اور زائدہ کا رومان بھی شادی کی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔“

”میں نے کب کہا کہ پہنچ سکتا ہے۔“

”تب کیا غم ہے۔ جو انجام تمھارے رومان کا ہونا ہے وہی فردوسیہ اور رشید کے رومان کا بھی ہو رہا گا۔“

ان کے چہرے پر بے بسی اور جھلاہٹ ابھری۔ رشید احتجاج کے انداز میں کہنے لگے۔۔

”نہی ہے ملا بھائی۔ تم آج کس طرح کی باتیں کر رہے ہو۔ میں تو سمجھتا تھا کہ تم فردوسیہ کو اپنی بہن کے درجے میں رکھتے ہو۔ اسے غلط راہوں پر جانا دیکھ کر دو اپس لانے کی کوشش کر لو گے۔“

”ہر طرح کی کسی نہ کسی کی بہن اور بیٹی ہوتی ہے الیاس میاں۔ مجھے بتاؤ کہ اگر فردوسیہ اور رشید کا میل جول کوئی معیوب چیز ہے تو اس کا عملی سبب فردوسیہ کو کس نے دیا۔؟“

”یہ بحث اب فضول ہے۔ مان لو کہ تصویر کچھ میرا بھی ہے۔۔۔۔“

”کچھ نہیں بہت کچھ۔ میں تو دل و جان سے ہر خدمت پر آمادہ ہوں مگر بتاؤ تو آخر میں کبھی کیا سکتا ہوں۔“

”فردوسیہ کو سمجھاؤ۔“

”لا حاصل ہے۔ میں نے گفتگو کر دی تھی۔ وہ اس منزل سے گذر چکی ہے جہاں حرف نصیحت کا درگم ہوا کرتا ہے۔ کمال تو یہ ہے کہ خود جناب اب تک زائدہ سے قطع تعلق نہیں فرما سکے۔“

”اگر فردوسیہ کو براہ راست پر لانے کی یہی شرط ہو تو میں زائدہ سے ترک تعلق پر بالکل تیار ہوں۔“

”یہ میں فردوسیہ سے کہہ کر دیکھ لوں گا۔ ویسے میوڈ اس کا ایسا نہیں معلوم ہوتا کہ کسی بھی مفاہمت کو قبول ہی کر لے۔“

بعد مغرب میں نے فردوسیہ سے گفتگو چھیڑی۔ وہ اپنے کمرے میں تھی۔ خالہ اتفاق سے سونے لیٹ چکی تھیں۔

شاید طبیعت کچھ خراب رہی ہو۔

”تمھارے بھیا اپنی حرکتوں سے تائب ہو گئے ہیں۔ وہ زائدہ سے ترک تعلق پر تیار ہیں۔“

اس کے ہونٹوں پر نفرت کا خم آیا۔

”تو میں کیا کروں؟“ وہ کاٹ تھانے کے انداز میں بولی۔

”تم بھی تائب ہو جاؤ۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے تمھاری اور رشید کی شادی کا کوئی امکان نہیں۔“

”یہ میں کچھ نہیں جانتی۔ بس اتنا ہم دونوں نے قطعی طور پر طے کر لیا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اب ہمیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکتی۔“

”یہ کسی فلم کا مکالمہ ہو سکتا ہے۔ حقائق سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔“

”بلا سے تم کچھ سمجھے جاؤ۔۔۔۔۔“

”اچھا ایک بات بتاؤ۔ الیاس میاں کہہ رہے تھے کہ تم میری بہن کے درجے میں ہو۔ کیا یہ ٹھیک ہے؟“

اس مستفسرانہ نظروں سے مجھے گھورا۔

”مان لو یہ ٹھیک ہی ہو تو پھر۔۔۔۔۔؟“

”بات کرنے کا یہ تمہارا خاص انداز مجھے بہت پسند ہے۔“ وہ خوش ہو کر بولی ”کاش تم وضع قطع کے اعتبار سے دقیا نو سی نہ ہوتے پھر تو نہ جانے کتنی لڑکیاں تم سے لازماً عشق کرتیں۔ اب بھی مجھ نہیں بگڑا۔ پتلون اور شیرانی تمہارے بہت چھے گی۔“

”تم نے شاید سنجیدگی اختیار نہ کرنے کی قسم کھائی ہے۔ فردوسیہ عزیز بیچنا چھوڑ دو۔ تمہارے بھیا کی تشویش بے محل نہیں ہے۔۔۔۔۔“

”بھیا۔۔۔ بھیا۔۔۔ بھیا“ وہ جھلا اٹھی ”ان کا حال بار بار کیوں دیتے ہو۔ انھیں تم نہیں میں جانتی ہوں۔ بڑے پارسا بنتے ہیں۔“

آخری فقرہ اس نے بڑے تلخ انداز میں کہا۔ میری تشریح طلب نظریں اس کے چہرے پر جمی رہیں۔

”زاہدہ میری دوست ہے۔ کیا وہ مجھ سے چھپائے گی اس کا رومان کن مرحلوں سے گذر رہا ہے۔ بس ملا بھائی۔ تم اس جھگڑے میں مت پڑو۔ تمہارا بڑا احترام ہے میری طرف سے۔ وہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھی۔ اسے نصیحت کرنے کا مجھے حق بھی کیا تھا۔ اس سے ذرا بھی بعید نہیں تھا کہ شغل ہو جائے تو چنانچہ ہی مار دے۔“

”میں تمہارا شکر گزار ہوں فردوسیہ بانو۔ یقیناً مجھے کوئی حق نہیں کہ تمہارے نجی معاملات میں دخل دوں۔ تم خود مختار ہو۔ ہوشمند ہو۔ میں تو ایک ملا ہوں دقیا نو سی۔ جو اپنی حماقت سے یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ جس گھر کا وہ نمک کھا رہا ہے اس کے بڑے بھلے پر توجہ دینا بھی اس کے فرائض میں داخل ہے۔“

”ارے تو اتنا برا سا تمھ کیوں بنا رہے ہو۔ تم توجہ دو۔ اچھی طرح دو۔ میں تمہاری ہر فمائش برداشت کر سکتی ہوں حتیٰ کہ اگر تم چپت بھی مار دو تو سہہ جاؤں گی مگر بھیا کی وکالت مت کرو۔“

”میں ان کی وکالت نہیں کرتا۔ مجھے تو ذاتی حیثیت میں بھی تمہارا اور رشید کا رومان اچھا نہیں لگتا۔“

”کوئی حرج نہیں۔ بہتری باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ہمیں

”میں بڑے بھائی ہی کی حیثیت سے تمھیں نصیحت کر رہا ہوں۔ کہ اپنی ذات کے بارے میں متانت اور احتیاط کا رویہ اختیار کرو۔ تمہاری مثال آگینے کی سی ہے۔ ذرا بھی بال اگیا تو کبھی دور نہ ہو سکے گا۔ تمہارے رشید صاحب کیسے بھی شریف ہوں مگر انسان ہیں فرشتہ نہیں۔ اب آگے میں کیا کہوں۔“

”کہنے سے کچھ فائدہ بھی نہیں“ اس نے پھٹ سے کہا ”میں بھی سی بچی نہیں ہوں جو اچھے اور بُرے پہلوؤں کو نہ سمجھتی ہوں۔ تمھیں اخلاقیات پر لکچر دینا ہو تو ضرور دو میں زبان نہیں بگڑوں گی مگر نتیجہ کچھ بھی نہیں نکلے گا۔“

”کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ رشید فلمی ہیروؤں کی طرح مافوق الفطرت ثابت ہوگا؟“

”بالکل شروع میں سمجھا تھا۔ مگر اب ایسا نہیں سمجھتی۔“

”پھر بھی پیچھے لوٹنے پر آمادہ نہیں ہو؟“

”کیوں لوٹوں۔ میری سمجھ میں تو آتا نہیں کہ بھیا کو اتنا طرارہ اور اضطراب کس وجہ سے ہے۔ رشید نے تو کوئی ہنگامہ نہیں اٹھایا حالانکہ زاہدہ اور بھیا کے تعلق کا اسے بھی علم ہے۔“

”اپنی بات وہ جانے۔ میں تو تمہارے بارے میں کہہ سکتا ہوں کہ جس راستے پر تم چل رہی ہو وہ اچھا راستہ نہیں ہے۔“

”اچھائی اور برائی نقطہ نظر پر منحصر ہے ملا بھائی۔ میرے نقطہ نظر کا سا نچا جن تعلیم نے بنایا ہے وہ تو یہی بتاتی ہے کہ زندگی کو حسین سے حسین تر بنالینا ہی سب سے بڑی اچھائی ہے۔۔۔۔۔ مگر ہم آخر اس موضوع پر بحث ہی کیوں کریں۔ اوہم کیٹی اور شیلے کی نظموں پر گفتگو کریں۔ تم نے تو انھیں کہاں پڑھا ہوگا؟“

”مغربی شاعروں کی بہتری نظموں اور تراجم کی شکل میں میری نظر سے گذری ہیں۔ تبھی تو تم بہن بھائی کی روشن خیالیوں پر عیش عیش نہیں کر سکا۔ اگر ان نظموں کو پڑھ کر بھی تم لوگ عشق نہ کرتے تو مجھے ضرور تعجب ہوتا۔“

ناول نہیں چلے گا جو کچھ لکھنا ہے اسی بار لکھ کر ختم کرو۔ فرماتے ہیں اس سے زیادہ کیا کہوں کہ اچھا جناب ختم کیا۔ اسلام علیکم۔

اچھی نہیں لگتیں مگر انہیں برداشت کرتے رہتے ہیں۔“
آگے یہ داستان بڑی زلف در زلف ہے مگر حکم ملا ہے کہ

تجلی کے پاکستانی قارئین مطلع ہوں

ہم نے ارادہ ظاہر کیا تھا کہ زمانہ جنگ کے جو شمارے پاکستانی شائقین کی خدمت میں پیش کرنے سے ہم قاصر ہیں ان کے خاص خاص مضامین ایک مستقل شمارے کی صورت میں چھاپ دیے جائیں۔ اب اس ارادے میں اتنی ترمیم کی جا رہی ہے کہ بجائے مستقل شمارے کے ان مضامین کو جون کے عام شمارے میں شامل کرینگے۔ چنانچہ جون لائسنس کا پرچہ تقریباً ڈبل ہوگا اس میں نہ صرف ”آغاز سخن“ اور ”مسجد سے میخانے تک“ نقل ہوں گے بلکہ مدیر تجلی کا وہ خاص مضمون بھی نقل کیا جائے گا جس کا عنوان تھا:-

”شری چھاگلہ — بنام امت مسلمہ“

یہ مضمون ایک بھرپور جواب ہے اُس لکار کا جو بھارت کے وزیر تعلیم جناب شری چھاگلہ نے زمانہ جنگ میں بایں الفاظ دی تھی کہ:-

”ہر پاکستانی اصلی مسلمان نہیں بلکہ نو مسلم ہے۔ ہر پاکستانی کی رگوں میں ہندو خون

دوڑ رہا ہے۔“

خود سوچ لیجئے موضوع ایسا نازک اور قلم مدیر تجلی کا۔!

ایجنٹ حضرات جلد از جلد اپنی مطلوبہ تعداد سے مطلع فرمائیں اور جو عام خریدار براہ راست ہم سے منگانا چاہیں وہ ہمارے پاکستانی پتہ پر چندہ بھیج کر مستقل خریدار بن جائیں۔

اس شمارے کی عام قیمت ڈیڑھ روپیہ ہوگی۔

منیجر تجلی - دیوبند (دیوبند)

وطن دوستی اور اسلام

حُب الوطنی کی تائید میں پیش کرنا علمائے حدیث کے نزدیک صحیح نہیں، اور وطن پرستی کو جزو ایمان قرار دینے کے لئے بھی اس سے استدلال درست نہیں جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا ہے۔

اسلام میں وطن دوستی | جہاں تک وطن کی محبت اور دوستی کا تعلق ہے جزو ایمان ہونے یا نہ ہونے کی بحث سے الگ اسلام کے نزدیک یہ ایک صحیح جذبہ ہے

علامہ سخاوی نے المقاصد الحسنہ میں اور ملا علی قاری الموصوفہ الکبیر میں اس کی صحت پر قرآن و حدیث سے کچھ دلائل بھی پیش کئے ہیں جن میں ایک قرآن مجید کی یہ آیت بھی ہے۔

مَالِنَا لَآ نَقَاتِلُ فِي سَبِيلِ | ایسا یونکر ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ
اللہ و قداً اخر جناہن دیا سرتا | کہ راہ میں نہ لڑیں حالاکہ ہم اپنے
گھروں سے نکالے جا چکے ہیں۔

اس آیت میں وطن سے نکال دیئے جانے کو بھی دشمن کے ساتھ لڑنے کو لے کر ایک وجہ جواز کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ لڑائی اسی چیز کے لئے کی جاتی ہے جو عزیز اور محبوب ہو لہذا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کے نزدیک وطن سے دوستی اور محبت ایک اچھی چیز ہے اگر یہ استدلال صحیح ہے تو اسی سلسلہ میں ایک یہ آیت بھی پیش کی جا سکتی ہے کہ:

اِنَّمَا يَنْفَعُكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ | سوائے اس کے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے
قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاخْرَجُوْكُمْ | نہیں ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے
مِنْ دِيَارِكُمْ وَاخْرَجُوْكُمْ | سے روکا ہے جو دین کی بنا پر تم سے
اَخْرَجُوْكُمْ اِنْ تُوْلُوْهُم | لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے

حُب الوطنی کے متعلق، اسلام کا جو رویہ ہے اس پر بحث کرنے سے پہلے، یہ عرض کر دینا مناسب ہو گا کہ اس موضوع پر جب گفتگو ہوتی ہے تو اچھے خاصے لکھے پڑھے لوگ، اس کی تائید میں فوراً ایک مزعمہ حدیث "حُب الوطن من الایمان" پیش کر دیتے ہیں۔ ناواقفیت کی بنا پر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلمہ حدیث سمجھتے ہیں حالانکہ محدثین کرام کے نزدیک یہ کوئی صحیح حدیث نہیں بلکہ بعض کے نزدیک موضوع ہے یعنی کسی نے خود گھڑ کر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا ہے علامہ صاعقانی کی اس کے متعلق یہی تحقیق ہے بعض کے نزدیک یہ دراصل سلف میں سے کسی کا قول ہے جسے غلطی سے حدیث سمجھ لیا گیا ہے، علامہ سخاوی اور علامہ زرکشی نے اس کے بارے میں لکھا: قَدْ عَلِمْنَا كَيْفَ كَرِهِيَ كَرَاهِي نَاوَا قَفِيْتِ اَدْرَعْلَامِ اَكْبِي كَا اظہار کیا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ حدیث نبوی کے مستند مجموعوں میں کہیں اس کا ذکر نہیں اور کسی نے اس کو باقاعدہ سند کے ساتھ روایت نہیں کیا، بعض نے کہا ہے کہ پہلے تو یہ حدیث ہی نہیں اور اگر ہو بھی تو اس میں لفظ "وطن" کی مراد متعین کرنے میں کئی احتمالات ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وطن سے مراد مکہ مکرمہ یا جنت یا صوفیہ کے مذاق کے مطابق رجوع الی اللہ ہو جو دراصل حقیقی مبداء و معاد ہے کیونکہ وطن کے یہ تینوں معنی ایسے ہیں جن کی محبت جزو ایمان بن سکتی ہے اور متعارف معنی میں وطن کی محبت تو کافر میں بھی پائی جاتی ہے لہذا وہ جزو ایمان کیسے ہو سکتی ہے، بہر حال اس کو ایک حدیث کی حیثیت سے عام

نکالا اور نکالتے ہیں دوسروں کی ملک کی اس آیت میں بھی چونکہ وطن سے نکال دینے جانے کو ترک موالات کا ایک مستقل سبب قرار دیا گیا ہے لہذا اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کی نظر میں وطن کی کس قدر اہمیت ہے اور اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ وطن دوستی ایک صحیح چیز ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وطن کی محبت

ان آیات کے علاوہ محبت وطن کے صحیح اور پسندیدہ جذبہ ہونے کے متعلق اس حدیث سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔ جسے مفسر قرآن مجید کی آیت ان الذی فوض علیک القرآن لیس اذک الی معاذہ کہ تفسیر میں نقل کرتے ہیں تفسیر روح المعانی میں ہر روای عن غیر واحد ان اکثر اربوں سے مروی ہے کہ آیت الا بیتہ، نزلت بالجحفة بعد ان خرج صلی اللہ علیہ وسلم جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مکتہ صحابہ و اشتاقی سے ہجرت کر کے نکلے اور آپ کے دل میں مکہ کی طرف اشتیاق پیدا ہوا۔

یعنی جب آپ مدینہ جاتے ہوئے راستہ میں جحفہ کے مقام پر پہنچے تو آپ کے اندر اپنے پیدا نشی وطن، مکہ مکرمہ کی طرف کشش اور شدید اشتیاق کی کیفیت پیدا ہوئی اور وطن مآلوف سر جہدانی پر رنج ہو کر اس وقت آیت مذکورہ نازل ہوئی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جس اللہ نے آپ پر قرآن فرض کیا ہے وہ آپ کو فرد معاد کی طرف لوٹائے گا۔ معاد سے مفسرین نے مذکورہ روایت کے پیش نظر کہ معظمہ مراد بیا ہے، گویا اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلا گیا کہ آگے چل کر اللہ تعالیٰ ضرور ایسے حالات پیدا فرمائے گا کہ آپ اپنے وطن مآلوف مکہ مکرمہ کی طرف لوٹیں گے، غرض کہ مذکورہ حدیث اور اس کی بنا پر کی گئی تفسیر سے صاف ظاہر ہے کہ اپنے وطن سے انس و محبت ہونا ایک صحیح اور اچھی چیز ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر یہ چیز پیدا نہ ہوتی اور اللہ تعالیٰ اس کی تائید اور رعایت نہ فرماتے۔

علامہ سخاوی وغیرہ نے اس سلسلہ میں ایک اور حدیث

بھی پیش کی ہے، جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

عن الزہری قال قال اُصیل الخفاری علی رسول اللہ من مکتہ قبل ان ینسب الحجاب فقالت عائشۃ کیف لو کت مکتہ قال حضرت جنبا تھا و ا بیعتت بلحجاب ہا و عذاق اذ خرها و انشئہ سلمہا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی حالت میں جبکہ اس کے حسرت یا اُصیل لا تمزنی دنی را و ابیہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم نذاع القلوب لقرۃ۔

اس حدیث کے آخری الفاظ سے یہ واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پیدا نشی وطن مکہ سے ایک طرح کی الفت و محبت تھی اسی وجہ سے اس کے ذکر سے آپ کو ایسا دلچسپ و تعلق ہوتا تھا جیسا کہ کسی بچھڑے ہوئے محبوب کے ذکر سے ایک محب کو ہوتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ وطن سے محبت کرنا ایک صحیح اور اچھی چیز ہے۔

اس حدیث کے آخری الفاظ سے یہ واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پیدا نشی وطن مکہ سے ایک طرح کی الفت و محبت تھی اسی وجہ سے اس کے ذکر سے آپ کو ایسا دلچسپ و تعلق ہوتا تھا جیسا کہ کسی بچھڑے ہوئے محبوب کے ذکر سے ایک محب کو ہوتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ وطن سے محبت کرنا ایک صحیح اور اچھی چیز ہے۔

وطن دوستی ایک فطری تعلق

کے ایک انسان جس خطہ زمین اور جس علاقے اور وطن میں پیدا ہوتا، نشوونما پاتا اور عمر کے مختلف مراحل طے کرتا ہے اس کی ہر ہر چیز سے اسے ایک طرح کا لگاؤ اور انس قائم ہو جاتا ہے، وہ محض یہی نہیں کہ اس میں لینے والے انسانوں، ان کے طرز بود و باش، ان کی مخصوص بولی اور طرز تکلم، ان کی خاص

غذا، خوراک، ان کے لباس و پوشاک اور میل جول کے طور پر تقویٰ اور تمام ادنیٰ صنایع و احوال سے مانوس ہونا ہے بلکہ اس کے جزا فیاتی ماحول اور طبعی حالات اور خاص حیوانات اور پرندوں تک سے مانوس ہو جاتا ہے، شاید اس کی ایک وجہ یہ ہو کہ دراصل ان تمام چیزوں کا اس کے تحفظ و بقا اور اس کے داعی و جسمانی نشوونما میں بلا واسطہ یا بالواسطہ طور پر فرد عمل دخل ہوتا ہے وہ اپنے گردہ پیش کی تمام چیزوں سے شعوری و غیر شعوری اور ارادی و غیر ارادی طور پر ضرر مستند یا درمستغ ہو جاتا ہے اور ان کے اثرات اس کے دل و دماغ اور ذہن و سخت الشعور پر گہرائی اور پختگی کے ساتھ قائم و ابستہ ہوتے ہیں لہذا یہ ایک بالکل فطری اور طبعی امر ہے کہ انسان کو اپنے تمدنی اور طبعی ماحول سے انس و محبت ہو اور وہ اس کی اصلاح و تعمیر اور خیر خواہی اور بھلائی کے لئے کوشش کرے اسلام چونکہ ایک دین فطرت ہے وہ انسان کے فطری تقاضوں کو مٹاتا اور دیا جاتا نہیں اور نہ ان کو نظر انداز کرتا ہے بلکہ ان کا تحفظ اور ان کی تسکین کے لئے صحیح حدود و مقدار مقرر کرتا ہے تاکہ ان کے درمیان تضادم اور ٹکراؤ پیدا نہ ہو اور اس کے نتیجہ میں اجتماعی اعتدال و توازن نہ بگڑے تاہم یہ وہ جب اولیٰ فطری جذبہ کی حمایت اور تائید کرتا اور اسے اپنے مخصوص رنگ میں رنگتا ہے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے وطن اور اہل وطن کی ہمدردی اور خیر خواہی کو ضروری ٹھہراتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کے انسانیت کا ایک عالمگیر انسانی دین بھی ہے وہ اپنی تعلیمات میں کسی مخصوص وطن میں رہنے والے انسانوں ہی کے محدود مفاد کو مد نظر نہیں رکھتا بلکہ کورہ ارض پر لیٹنے والے تمام انسانوں کے مفاد کو سامنے رکھتا اور سب کی بھلائی و بہتری چاہتا ہے وہ اس دنیا میں ایک ایسا عالمگیر انسانی معاشرہ قائم کرنا چاہتا ہے جس کے ہر فرد کو دوسرے ہر فرد کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی ہو اور ہر فرد دوسرے فرد کے ساتھ عدل و احسان کا برتاؤ کرے کیونکہ اس کے بغیر کسی فرد بشر کو اس دنیا میں وہ پائیدار اور مسلسل امن و اطمینان کی زندگی میسر نہیں آسکتی جس کی ہر انسان

کے اندر فطری طور پر طلب و خواہش پائی جاتی ہے اور جس کے میسر آجائے گا وہ ہی دراصل فرد کی فوری صلاح اور کامیابی و کامرانی ہے۔

جارحانہ وطن پرستی اسلام میں دوستی کے جذبہ اور اس کے تقاضوں کو صرف اسی حد تک صحیح مانتا ہے جس حد تک کہ وہ اس کے مجوزہ عالمگیر انسانی معاشرے کی راہ میں رکاوٹ نہ بنیں بلکہ اس کے لئے ممد و معاون ثابت ہوں یا لفاظی دیگر مطلب یہ کہ اسلام کے نزدیک وطنیت و قومیت کا وہ تصور بالکل غلط اور باطل ہے جو فرسہ یہ تقاضا کرتا ہے کہ وہ صرف اپنے ہی وطن اور اپنی ہی قوم کے مفاد کو منترہائے نظر اور مسلح نگاہ بنائے اور اس کے لئے اپنی تمام صلاحیتیں اور کوشش و قوت کر دے ہر اس چیز کو خیر و نیکی سمجھے جو اس کے وطن اور اس کی قوم کے لئے مفید ہو اور ہر اس چیز کو شر اور بدی یقین کرے جو اس کے وطن اور قوم کے لئے مضر اور نقصان دہ ہو، اور یہ کہ اس کا بلند ترین مقصد اپنے وطن اور اپنی قوم کی برتری اور فوقیت ساری دنیا پر قائم کرنا ہو، کیونکہ وطنیت و قومیت کے اس تصور کی رو سے ہر وہ اقدام اور ہر وہ طرز عمل جائز و درست قرار پاتا ہے جس سے اس خاص وطن اور قوم کو فائدہ پہنچ سکتا ہو خواہ اس کے نتیجہ میں دوسرے اوطان و اقوام کو کتنا ہی نقصان کیوں نہ اٹھانا پڑے، ظاہر ہے کہ اس منحوس تصور کے پورے ہونے دنیا میں کبھی بھی پائیدار امن و اطمینان کی فضا پیدا نہیں ہو سکتی اور اسلام چونکہ یہ چاہتا ہے کہ دنیا میں پائیدار امن و سلامتی کی خوش گوار فضا پیدا ہو اور ہر انسان کی وہ تمام صلاحیتیں پوری طرح بروئے کار آئیں جو اس کو فلاح و اطمینان کا مستحق ٹھہرانے کے لئے ضروری ہیں لہذا وہ وطنیت و قومیت کے مذکورہ تصور کو بالکل باطل و غلط قرار دیتا ہے کیونکہ اس کا لازمی نتیجہ جنگ و خونریزی، انسانی صلاحیتوں کا ضیاع اور انسانی کئی تباہی و بربادی ہے، جارحانہ وطن پرستی کا یہ تصور باطل ہے جس کو علامہ اقبال مرحوم نے تہذیب نو کا نام اکرا اور اس کی پرستش کو بجا طور پر مذہب کا گھنہ قرار دیا ہے۔

ان تازہ خواتین میں بڑا سبک وطن پرستی اور اس کا مذہب کا گھن

وطن پرستی یا انسان دوستی

خلاصہ یہ کہ اسلام
وطن دوستی کا تو

قاتل ہے لیکن وطن پرستی کا قاتل نہیں وہ ایسی حب الوطنی کا
روداد ہے جو محدود ہو اور انسانیت دوستی کے ماتحت اور آہ
آخر ہو، اُس محبت وطن کا روداد نہیں جس کا نتیجہ دوسرے وطنوں
سے نفرت دشمنی کی شکل میں ظاہر ہو سکتا ہو، اس کے نزدیک
حق و باطل اور نرم و مشرک کا معیار کسی خاص وطن اور قوم کا محدود
مفاد نہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان کا وسیع مفاد ہے جس کا صحیح
ترجمان وہ قانون الہی ہے جو قرآن مجید اور پیغمبر اسلام کے
ذریعے دنیا کو دیا گیا ہے۔

مقام افسوس ہے کہ برصغیر سے آج ان ممالک میں قومیت

دوطنیت کی ملعون دشمنیوں دبار پھیل رہی ہے اور دن بدن زور
پکڑ رہی ہے جو اسلام کے دعویٰ دار اور علمبردار ہیں اور نہ صرف یہ کہ
قیادت کی طرف سے اس کی کوئی روک تھام نہیں ہو رہی بلکہ حکومتی
ذرائع سے اُسے فروغ دیا جا رہا ہے اور دعویٰ یہ ہے کہ ہم اسلامی
معاشرہ وجود میں لانا چاہتے ہیں، اگر ہمارا یہ دعویٰ سچا ہے تو ہمیں
فوراً اس غیر اسلامی تصور کو پھیلنے اور فروغ پانے سے روکنا چاہیے
اس کے لئے سب سے زیادہ ضرورت اس کی ہے کہ نصاب تعلیم ابتداء سے انتہا
تک ایسا ہو کہ اُس کے پڑھنے سے محدود و حب الوطنی اور قوم دوستی کی
ساتھ عالمگیر انسان دوستی کا بھی جذبہ پیدا ہوتا کہ آگے چل کر عالمگیر
انسانی معاشرے کی تشکیل میں مدد مل سکے جو اسلام کا ایک
عزیز نصاب العین ہے۔ (بشکریہ مبینات)

کیا جماعت اسلامی حق پر ہے؟

دنیا بھر کے علماء و فضلاء کے فتوے اور فیصلے ایک ہم کتاب جو مخالف و موافق ہر ایک کے لئے مفید اور دلچسپ ہے۔ تین روپے۔

الزلمات کا جائزہ

ان الزلمات کا منصفانہ جائزہ جو جماعت اسلامی اور مولانا مودودی پر کئی فتووں کی شکل میں اور کبھی کتابوں اور
اشتہاروں کی صورت میں لکھے جاتے رہے ہیں۔ اس کتاب کی قیمت ڈھائی روپے ہے۔ جو لوگ اسے اور کیا جماعت
اسلامی حق پر ہے؟ کو ایک ساتھ طلب فرمائیں گے انھیں ایک خرچ معاف کر دیا جائے گا۔

مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ اپنے موضوع کی ایک معلومات
۲/۷۵

فیوض یزدانی | شاہ عبدالقادر جیلانی کی الفیض الہیاتی کا
اٹھارہ روپے اور فائدہ
۱۰/۵

تھوڑی دیر اہل حق کے ساتھ | جلیل القدر اسلاف کے
دچسپ تاریخی حالات۔ حصہ اول و دوم کی مجموعی قیمت
ایمان افروز اور بے حد

تذکرہ غوثیہ | مولانا سید غوث علی شاہ قلندر پانی پتی کے حالات و
سوانح اور ارشادات۔ قیمت مجلد دس روپے۔

سوانح حضرت بابا فرید الدین گنج شکر | تحقیقی انداز میں لکھی
ہوئی بابا فرید الدین

گنج شکر کی مفصل سوانح۔ مجلد چھ روپے۔ ۶/-
فضائل صحابہ و اہل بیت | حضرت شاہ عبدالعزیز
محدث دہلوی کے بعض نادر

رسائل کا اردو ترجمہ۔ شاہ صاحب اور شاہ رفیع الدین
کے مکتوبات بھی شامل کتاب ہیں۔ مجلد چھ روپے۔ ۶/-
سرکشی ضلع بجنور | سر سید احمد خاں کی یہ تاریخی تصنیف
تاریخ کے موضوع سے دلچسپ رکھنے

والوں کیلئے دلچسپ تحفہ ہے۔ ڈاکٹر سید عین الحق نے اسے
مصنف کے حالات اور حواشی سے مزین کیا ہے۔ مجلد چھ روپے۔ ۶/-

حجۃ اللہ البالغہ

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی دہ شہور زمانہ کتاب جو اپنے متنوع مضامین اور معکرانہ اسالیب کی بنا پر ساری دنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ عمرانیات۔ سیاست کلام و منطق، فقہ، تاریخ، تہذیب و تمدن سبھی طرح کے موضوعات کی جامع۔ ایک کالم میں عربی۔ بالمقابل عام فہم اردو ترجمہ۔ دو جلدوں میں مکمل۔ قیمت غیر مجملہ بیس روپے۔ (مجلد چوبیس روپے)

صحیح السیر

حضرت کی سیرت پر بے شمار کتابیں لکھی گئیں مختصر بھی اور ضخیم بھی۔ متن وسط ضخامت کی کتب سیرت میں مولانا دانا پوری کی یہ کتاب اپنا جواب نہیں رکھتی۔ شگفتہ زبان۔ سلیس پر بار اعلیٰ تحقیق۔ ناخذ کے حوالے اور مختلف فیہ واقعات روایات میں محتاط موازنہ اور تنقید۔ عوام و خواص دونوں کے لئے یہ کتاب نہایت مفید اور معلومات کثیرہ کا خزانہ۔ دس روپے۔ (مجلد بارہ روپے)

تذکرہ شاہ ولی اللہؒ اپنے دور کے امام حضرت کا مفصل تذکرہ و تعارف۔ تازہ ایڈیشن تفسیر اور ترمین کے ساتھ۔ قیمت ساڑھے چار روپے۔ ۲/۵۰

وجہ و سماع { مروجہ عس و قوالی اور گانے، بجانے کی شرعی حیثیت پر حرف آخر قیمت ایک روپیہ

بدعت کیا ہے؟ { دنیا اضافہ شدہ ایڈیشن، بدعت و مصیبت کے رد میں ایک عظیم کتاب۔ مجلد تین روپے۔

تفسیر سورہ لؤلؤ { انہ۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی۔ قیمت چار روپے

بلوغ المبین { بدعت و مشرک کے خلاف اور سنت و توحید کی حمایت میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کی شاندار کتاب کا اردو ترجمہ۔ روشن دلائل یقین قیحات قیمت مجلد چار روپے۔

ترکیہ نفس { مولانا امین احسن کی معرکہ الآراء تالیف تزکیہ نفس کی حقیقت اور وہ کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اعلیٰ ایڈیشن سچے روپے ۶/-

قرآن اور حدیث { انہا قرآن کیوں ہدایت کیلئے کافی نہیں؟ مولانا مودودی کے قلم سے (ڈیڑھ روپیہ) ۱/۵۰

رد بدعت { انہ افاضہ۔ انار بانی مجدد الف ثانیؒ قیمت سوار و پینے۔ ۱/۲۵

مسئلہ قربانی علم و عقل کی روشنی میں { از۔ مولانا مودودی قیمت پچاس پیسے

مولانا مودودی اور تصوف { مولانا شیخ احمد ڈر روپے ۲/-

آداب یارت قبور { از۔ اسماعیل شہید۔ چالیس پیسے۔

تاریخ خلاف کعبہ { از۔ مولانا مودودی۔ ۲۵ پیسے۔

شہدائے بدر { یعنی یوم الفرقان قیمت پچاس پیسے

کما پردہ ملک کی ترقی میں کاوٹ ہے؟ { بیس پیسے ۲۰/-

فرعون و کلیم کی داستان کشمکش { چالیس پیسے

ایمان و آرائش { اخلاق حسین۔ تیس پیسے۔

آج اور کل

قصہ مسلم مسائل کا

کی حیثیت سے پیش کرنے کے جذبات پر مبنی ہو تو انھیں کون قصور وار ٹھہرا سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب جب مسلمانوں کو علیحدہ سے ایک مسئلہ بنا کر ملک کے کسی بھی طبقے یا جماعت کی طرف سے کوشش ہوئی ہے، کانگریس کی جماعتی تنظیم اور اس کے حکمران طبقے کی جبینوں پر شل پڑتے ہوئے واضح طور پر دکھائی دیتے ہیں، مسلم کنونشن نام کے ایک سے زیادہ اجتماعات ہندوستان میں اس مسئلہ پر ہو چکے ہیں، ہر چند یہ اجتماعات بھی ہم نمٹس اور داد اجماعی فورڈجی کے دورِ صدارت والی کانگریس کے اجتماعات کی حدود اور ضرورتوں سے زیادہ کچھ اور ہندوستان بابائی دنیا کے سامنے پیش نہیں کر سکے، اس پر بھی ان کے خلاف رد عمل کچھ ایسا شدید اور فیصلہ کن تھا کہ کتنے ہی مسلم قائدین خلوتوں اور جلوتوں میں کانوں تک ہاتھ لے جانے پر اپنے آپ کو مجبور پانے لگے تھے۔

مسٹر ہیوم اور داد اجماعی فورڈجی اور سر ڈنشا داچا کے زمانے میں انڈین نیشنل کانگریس ایک ایسی تنظیم کے سوا اور کیا تھی جو حکومت وقت کے سامنے اپنے اجلاس کے ذریعہ درخور ہوتی اور ایسٹوں اور اظہار و نفاذ اری کے اعلانوں کے ساتھ چند اصلاحات کی سفارشاتوں کو پیش کر دیا کرتی تھی۔ گو کھلے تلمک، گاندھی جی، مولانا محمد علی، حسرت موہانی، مولانا آزاد، ظفر علی خاں، سید عطاء اللہ شاہ بخاری جیسے ضرورت پسند اور سیاسی سامروں کا وجود اس وقت کہاں تھا۔ پیرس لوگ پیرا ضرور ہو چکے تھے، لیکن کانگریس کے اجلاس میں جو لوگ اس زمانہ میں شامل ہوا کرتے تھے، انھیں بقول مولانا آزاد، اعتیاد کی چھلنی میں اچھی طرح چھان لیا جاتا۔

بالکل اسی طرح جس طرح مولانا حفظ الرحمن مرحوم کے

مسلمانوں کا مسئلہ یہ عنوان چاہے حکومتی پریس کی جانب سے سامنے آئے یا کانگریسی جماعت کی تنظیم کی طرف سے خواہ اسے پیش کرنے والی کوئی مسلم جماعت ہو یا غیر مسلم افراد، اس کی سیاسی فلازیوں کے پیش نظر مصلح خیر عنوان علوم ہونے لگتا ہے کسی مقدمہ کی ترتیب دینے کے انداز میں بات چیت کی جائے تو واقعی ہندوستان میں مسلمانوں کا مسئلہ ہی کیا ہے؟

ہندوستان کے دستور نے انھیں برابر کے حقوق دیئے ہیں۔ برابر کی حیثیت دی ہے اقلیت کے ایک یونٹ کی حیثیت سے اپنی تہذیب، مذہب اور زندگی گزارنے کے متعلق مخصوص نقطہ نظر کو اختیار کرنے کی آزادی دی ہے۔ انھیں اپنے مذہب کی تبلیغ کرنے تک کے اختیارات دیئے ہیں۔ پارلیمنٹ میں مسلمانوں کے نمائندے ہیں، چھ گلہ جی ٹائپ کے ذریعے ہیں، سچ ہیں، ایک بڑے اور اہم ترین شہر کا میئر بھی مسلمان ہے، اس کی اتنی اہمیت بھی ہے کہ ہر سال بڑے بڑے جفا دری لیڈروں کی خوشامد کرنے کی خبریں اس کی ذات اور شخصیت میں نیا نکھار پیدا کر دیتی ہیں، مسلمانوں کے بڑے بڑے مدارس ہیں، ان کے اوقاف ہیں، پندرہ سولہ ہزار کی عظیم الشان تعداد ہر سال حج کرنے کے لئے مرکز اسلام کی طرف کوچ بھی کرتی ہے۔ ایک عظیم الشان بلکہ حیرت ناک تعداد میں یہ اقلیت ہندوستان میں بس بھی رہی ہے، چار پانچ کروڑ مسلمان ایک جگہ بجز پاکستان اور انڈونیشیا کے کون سے ملک میں پائے جاتے ہیں۔

تب لوگ اگر ایسی کوشش پر راضی نہیں یا ایسی کوشش کو فرقہ پرستی کے نام سے تعبیر کریں جو ایسی اہم اقلیت کو ایک مسئلہ

زمانہ میں پہلے مسلم کنونشن کے انعقاد کے موقع پر چھانا گیا تھا۔ لیکن اتنی احتیاط، اتنی پیش بندی اور اتنی فروری بلکہ نیا زمندی کے اظہار کے بعد بھی ہندوستان میں مسلم کنونشن کے متعلق رد عمل کیا تھا۔ ۹

ایک بھوجپال، ایک زلزلہ، آندھی کا ایک ہولناک حملہ بھی شاید یہی کچھ اثرات پیدا کر سکتا ہے جو اس کنونشن کے انعقاد کے بعد سیاسی دنیا میں دیکھے گئے تھے، مولانا حفظ الرحمن پر کانگریس کے اعلیٰ ترین رہنماؤں سے ملکر چھپتے چھپتے بیناؤں تک کی طرف سے وہ وہ چوٹیں چلیں کہ مرحوم کی وطن دوستی اور قوم پرستی تک محسوس بحث میں آئی۔ مسلمانوں کی روش ان کے چال چلن ان کی ذہنیت اور ملک و وطن کی جانب سے ان کے نظریات تک کی اس کو تنقید تک کی ضرورت ملک کے سامنے پیش ہو گئی، مولانا حفظ الرحمن نے ان حملوں کو جس طرح برداشت کیا ہو گا وہ بس انھیں کا دل جانتا ہو گا۔ پھر دوسرا کنونشن ہوا۔ وہی پرانا فافا مولانا پہلے اظہار وفاداری، اس کے بعد ملک دوستی کے عہد نامے کی تجدید و ترمیم اس کے بعد کچھ کھٹے ہوئے الفاظ میں بڑا رپورٹ سے ملتی جلتی شکایتیں۔ کچھ بڑا احسان ہو گا، "قسم کا لہجہ۔ درنو استیں عرضداشتیں۔ یاد دہانیاں۔ گلو گرفتہ الفاظ۔ اب کی بار داعی ڈاکٹر سید محمود صاحب تھے۔ نہ معلوم کس ترمیم اور بھروسہ پر انھوں نے انا بڑا کارنامہ سرانجام دینے کی ٹھانی تھی، مسلم کنونشن نہ بلاتے تو سیدھے سبھاؤ کا گنہ گری نظر پڑے اور سیکولرزم کے عقیدے پر خاتمہ باخیر ہو جاتا۔ مسلم کنونشن بلایا تو سدا کے لئے جو رہیں گئے۔ ادھی صدی کی قومی خدمات کا گنہ گری کی بھری ایک طرف اور چند دن کا یہ قاتلندری ایک طرف۔ ساری عمر گزار کر ایک ڈھرا بنا یا تھا سب پر کالک پڑت گئی۔ ان کا جرم اس لحاظ سے اور بھی زیادہ ناقابل معافی تھا کہ اس دور کے کنونشن کے پیر سے مسلم مجلس مشاورت جیسا حضرت مناجیح پیدا ہو گیا تھا۔ اسی لئے اب بچاروں کا سلسلہ نسب گاندھی جی کے بجائے مسٹر جناح کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔ کانگریس کی ساری خدمات مسلم لیگ کو منتقل کر دی گئیں۔ مسلم لیگ کی ذہنیت اور نظریہ سے ہمیشہ سے دور تھے ہی۔ کانگریس کے ساتھ ان کا رشتہ جبراً منقطع

کر دیا گیا اب سیاست کے آسمان پر یہی چارے کٹے ہوئے پتنگ کی مانند ٹاپتے پھرتے ہیں۔ سارے ہندوستان میں شور مچ گیا کہ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانہ میں۔

ڈھونڈو ڈھونڈ کر ایسے مسلمانوں کے ناموں کو کیسلیسی دی جانے لگی جو کسی نہ کسی اہم عہدے پر نصب کر دیئے گئے تھے جسٹس ہدایت اللہ، ہمایوں کبیر، جھانگلہ، نور الدین بیگ، منہاج حسین ڈاکٹر ذاکر حسین اور اسی قبیل کے دسیوں ناموں کی دہائی دینے پوچھا جانے لگا کہ مسلمان اب اور کیا چاہتے ہیں؟ یہی نہیں بلکہ اس دور کے کنونشن سے تو سیاست کے نازک بدن سوراخوں کو اتنا صدمہ ہوا کہ ذہنی توازن تک ڈولتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ مسلم کنونشن کی لگائی آگ کو بجھانے اور بجھلائی ہوتی بے لہجہ بانی کی سنہولنے کی تجویز اور نقشبند پر غور ہونے لگا۔ اس حد تک بات پہنچ گئی کہ ہندو مفاد کے تحفظ اور پیش آمدہ خطرے کے مقابلہ کے لئے ہندو کنونشن تک کے انعقاد کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ مجاہدوں اور الزام تراشیوں کا وہ عبا راٹھا کہ فضا تیرہ و تار ہونے لگی۔ مسلمان آرام سے ہیں۔ مسلمانوں کو کوئی مشکل پیش نہیں، کسی قسم کی پریشانی نہیں۔ کچھ لوگ ہندوستان کے دشمن ملکوں کے ہاتھ مضبوط کرنے کی پالیسی پھیل پیرا ہو کر اس قسم کی غلط حرکتیں کر رہے ہیں۔ ہمارا اس قسم کی تحریکوں اور کوششوں سے کوئی واسطہ نہیں۔ اس قسم کے اور اس معنی و مفہوم سے ملنے جلتے الفاظ مسلمانوں کے ایسے ایسے لیڈروں کے نام سے موسوم ہو کر سامنے آئے جن کا نام خود مسلمانوں نے بھی پہلی بار سنا تھا۔ جمعیت العلماء کو ہراٹھے اور مشکل وقت میں مرد کمری بزم خود پرانی عادت ہے، اس لئے اس کوشش کو جس نے اچھے خاصے پڑ سکون ماحول کو گرم اور جالیں بنا کر رکھ دیا تھا۔ اس کی طرف سے مقابلہ نہ ہوتا تو کسی کی طرف سے ہوتا۔ قومی خدمت کا شرف جو ہاتھ سے نکلا جا رہا تھا۔

بڑے نرک و آفتخام اور دھوم دھام سے ایک نئے کنونشن کے دعوت نامے تقسیم ہو گئے تلافی مافات کے بین الطوردعووں کے ساتھ ان گنت غیر مسلم رہنماؤں کو نرک

مصرعہ طرح پر گرنے والی محفل مشاعرہ میں تبدیل ہو گئی۔
سپوزیم کے بجائے اب وہاں مناظرہ سہوار تھا۔

اس حجم دھاڑ اور آبیادھالی کے مظاہرے کے بعد اب
کس کی بہت تھی جو بیٹھے ٹھلے اپنے آپ کو خواہ مخواہ قربان گاہ
پر چڑھا دیئے جانے کی قلندرانہ جرأت کے حوالہ کر دیتا کچھ ستم
ظریف لوگوں نے کانگریس کے اندر رہتے ہوئے ہی مسلم فرزند
کھونے کی بہت دکھانے کی کوشش کی تو انھیں ہندو فرزند
کھول لینے کی دھمکی اور ٹانوں نے کان ڈھلکا دینے پر
مجبور کر دیا۔

نتیجہ فری دلچسپ اور اپنی نوعیت کے لحاظ منفرودہا
یعنی مسلمانوں کے نمائندے پارلیمنٹ میں موجود مسلمانوں کے
لیڈر کمیٹی میں شامل مسلمانوں کے حلیل القدر اور قابل حضرا
عبدالرحمن پورنگی، کانگریس کی تنظیم اور حکومتی ادارے میں ان کی
نمائندگی موجود، مگر ان کے مسائل کچھ نہیں۔ مسلم اوقاف کو
نیشنلائز کرنے کی تحریک اٹھی اور خود حکومت ہی کی اسطرح پر بلند
کی طرح بیٹھے گئی، مسلم یونیورسٹی کی طرف جھانک جی کی اڑانی ہوئی
آندھی نے رخ کیا، عمارت بج گئی مگر ادارہ کے چہرے پر
ایسی خراشیں پڑ گئیں کہ اب خود خیال بھی مشکل ہیجائے جاسکتے
آسام کے کتنے ہی باشندے مشرقی پاکستان کو ایکسپورٹ
ہو گئے۔ راجستھان کے مسٹر سکھا ڈیالے لاکھوں راجستھانی
مسلمانوں کو مغربی پاکستان میں دھکیل کر اعلان کر دیا کہ انہیں
واپس آنے کے حقوق قیامت تک نہیں دیئے جاسکتے مقبول
شیروانی کے ہم وطن لاکھوں کشمیری پاکستان ہیچادئے گئے
اور ان کی واپسی پر قدغن لگادی گئی تو یہ کوئی مسائل نہیں کہ ان
کا تعلق مسلمانوں سے بحیثیت ایک اقلیت کے نہیں، ایک
قوم سے بحیثیت ہندوستانی متحدہ قوم کے ہے۔ اس لئے
جمہوری قاعدوں قانون اور دستور کے لحاظ سے ان واقعات
کی نوعیت اور حسن و قبح کا فیصلہ اکثریت کے ہاتھ میں ہے
وہ لوگ قطعی فرقیہ پرست علیحدگی پسند، ملک دشمن اور مسلم
بیگنی ذہنیت کے زہر سے سم خوردہ ہیں جو انھیں مسلمانوں کی مشکلات
کے مطالبات، مسلمانوں کو خوفزدہ کرنے کی مہم اور مسلمانوں کے

ہونے اور قدوم میمنٹ لزوم سے سرفراز کرنے کی امتحانیں
پہنچائی گئیں۔ لوگ مسلم کنونشن کے نام پر کنونینگ کرتے تھے
اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے جاتے تھے کہ غیر مسلم حضرات کے شرکت
کے بغیر مسلم کنونشن کا مقصد ہی موجودہ دور میں سوخت ہو سکتا
ہے ہم سے پہلے لوگوں کو اس بحث کی خبر نہیں تھی۔ اس کنونشن
کے منعقد ہونے کی دیر ہے مسلمانوں کے مسائل یوں چٹکی جاتے
حل ہو جائیں گے جس طرح اردو ادب کے داستان سرائی
کے دور میں بلخ میں ہر تنصیبی پیرسوں جم جایا کرتی تھی۔

مسلم کنونشن اور مسلم مسائل کے ساتھ غیر مسلم رہنماؤں
کی شرکت اور اظہار خیال کا قلم سیاسیات کے کون سے اصول
اور نصیبات کی بنا پر لگایا گیا تھا یہ تو اس کے مجوزین ہی جانیں
ہیں تو اتنے ہی مشاہرے کا موقع ملا کہ یہ مسلم کنونشن منعقد
ہوا تو غیر مسلم شرکار کے وہی معروف نام تھے جو اپنے نظریات
ذہن، عقیدے اور پالیسی کے لحاظ سے اتنے جانے پہچانے
ہوئے لوگ ہیں کہ اگر رسمی طور پر شریک محفل نہ بھی ہوتے تو
انکی حمایت اور اشیر واد مسلم کنونشن کے مجوزین اور تنظیمین کو مجال
حاصل ہو جاتی۔ ڈاکٹر تارا چند، باداگو پال سنگھ پنڈت
سند لال یہ لوگ خود ہی اپنی مسلم دوستی کی بنا پر ہندوستان
کے اقبال مند لوگوں کی نگاہ میں خفیف اور کم سمجھے جاتے ہیں
حکمران طبقے کے فعال افراد میں سے ایک رہنما مرارجی ڈیسانی
نے اس کنونشن میں شرکت کی تو وہ ملاحیاں مسلمانوں اور کنونشن
کے قابل صدا احترام مجوزین کو انھوں نے سنا نہیں کہ

چپ ٹھے غریب ضعف تھا ہے ہونے کر
مرارجی ڈیسانی کی تقریر حسب دستور مسلمانوں
کی فضول ہلکان ہونے رہنے کی عادت کی سرزنش اور ہندوستان
دستور اور اس میں دی ہوئی مسلمانوں کو شہرہ کی ضمانت اور
تحفظات کے حوالوں پر مشتمل اور مسلمانوں کو علیحدگی پسندی
دشمن دوستی اور ملک دشمنی کے افعال قبیحہ سے باز آجانے کی
تہدید سے مزین تھی اور اس لئے وہی ایک بدمرغ مغز تقصیر
تھی جس کے بعد کنونشن ملاؤں کے مسائل پر غور کرنے والی ایک
سیاسی مجلس کے بجائے مرارجی ڈیسانی کے دیئے ہوئے

نام سے پیش کرنے کی حماقت کرتے ہیں کیونکہ مسلمان ہندوستان میں قابل رشک مطمئن زندگی گزار رہے ہیں، انھیں پارلیمنٹ میں نمائندگی حاصل ہے۔ انھیں وزارتوں میں ————— علیٰ نذ القیاس —————

تعمین کا مطلب یہ ہے کہ مسلسل سترہ اٹھارہ برسوں تک مسلمانوں کے متعلق کسی بے اطمینانی کے اظہار یا شکایات کو پیش کرنے کی کوشش یا نا انصافیوں کو ظاہر کرنے کی ہمت ایسے جرم کی صورت میں ظاہر کی جاتی رہی جو ملک دشمنی اور قوم پرستانہ نظریات سے غداری کے سوا کسی دوسرے نام سے یاد کئے جانے کے قابل نہیں تھا۔ لیکن یکایک کانگریس کے صدر کو شکر کامراج نے یہ اعلان کر کے لوگوں کو شکر شدیدی حیرت اور از خود ہمتی میں مبتلا کر دیا کہ وہ مسلمانوں کے مسائل جاننے کی کوشش کرنا اور ان کی شکایات، ان کی پریشانیوں، ان کی تکلیفیں اور ان کے ساتھ ہونے والی نا انصافیوں کو سننے کی زحمت اٹھانا ضروری خیال کرتے ہیں۔

صورت حالات کا انقلاب کچھ ایسا اچانک اور اجتماعی ذہن کے فیصلہ کی منسوخی کچھ ایسی بیکار اور خلاف امید دنیا سے تھی کہ ایک مختصر مدت تک تو مسلمانوں کو یقین کرنا ہی دشوار اور ناممکن محسوس ہوا کہ کچھ انھوں نے سنا اور بڑھا ہے وہ امر واقعہ بھی ہے یا نہیں؟ بہتوں نے جلدی اور گھبراہٹ میں صدر کانگریس کے اس فیصلہ کو ایکشن ٹرک سے تعبیر کر کے مسلمانوں کو یہ مشورہ تک دے ڈالا کہ اس قسم کی شکایتیں پیش کرنے کے بجائے اس مشن کا ہا بائیکاٹ کر دینا چاہیے۔ لیکن جب راجستھان کے مسلمانوں کا محضر اشاعت پذیر ہوا اور اس میں چیف منسٹر سکھا ڈیا پر لگائے گئے جحیرت ناک اور جہرت آزما الزامات کی ہمت سامنے آئی اور کانگریسی حلقوں میں اس کے متعلق رعب عمل کی کوئی لہر اٹھتی دکھائی نہیں دی۔ بلکہ اس کے بجائے ایک معنی خیر خاموشی کا منشا یہ ہر سامنے آچکا تب معلوم ہوا کہ جو چیز کل تک جرم و گناہ کے زمرہ میں داخل تھی وہ آج اجر و ثواب بن گئی ہے۔

جو چاہے آپ کا حسن کو ہر سارا کر لے کل تک بے نیکی کا یہ عالم تھا کہ کانگریس کی تنظیم میں رہتے ہوئے کانگریس مسلم ممبران کچھ شکایتوں کو کانگریس اور حکومت کے سامنے غور اور فیصلہ کی خاطر رکھنے کا ارادہ کرتے تو انھیں ہندو فریٹ کے صورت سے ڈرا کر خاموش کر دیا جاتا تھا اور آج شورہ شوروی کا یہ منظر خود صدر کانگریس مسلمانوں کو صلائے عام دے رہے ہیں کہ وہ اپنے مسائل، اپنے دکھ، اپنی تکلیفیں اور اپنی شکایتیں ان کے سامنے پیش کریں۔ کوئی تعجب اور حیرت کی بات نہ ہوگی کل کلان کو ہم بھی سن لیں کہ مسلمانوں کے مسئلہ پر غور فرقیہ وار نقطہ نظر کے بجائے لسانی نقطہ نظر کے ماتحت کیا جا رہا ہے۔ آخر نجاتی صوبہ کی تنظیم نو کے زمانہ میں ہم نے جن سنگھ کے جماعتی رہنماؤں تک کی زبان سے سن ہی لیا ہے کہ نجاتی صوبہ کا مسئلہ بھلے ہی فرقیہ پرستی کا خون کر جوان ہوا ہوا سے لے کر لسانی نقطہ نظر سے کر دیا جائے تو انھیں کوئی اعتراض نہیں۔

دیں وہ جس قدر صدیوں سے ہمتی میں طالبین گے لوگ کہتے ہیں تو کہا کریں کہ یہ سب کچھ آنے والے ایکشن میں مسلمانوں کی سہمدی حاصل کرنے کے لئے کیا جاتا رہا، مسلمانوں کو خدا کا شکر کسی ادا کرنا چاہیے کہ اس چوتھے پانچویں ایکشن نے ان پر اس دروازہ کو نیم وا تو کیا ہے جس میں اب تک ان کی سرگرمیوں کی ناکارگی زندہ دفن کر دی گئی تھی۔

کانگریس اور اس کے رہنماؤں نے بیس برسوں تک جس مسئلہ کو مسئلہ ہی تسلیم کرنے سے انکار کر رکھا تھا ایکشن یا کسی اور درجے سے سب سے اگر وہ تسلیم شدہ مسئلہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو مسلمانوں کو ایک نئی دریافت کی خوشی میں جشن منانا چاہیے وہ خواہ خواہ بیس برسوں تک اپنی پریشانیوں کو مسلمانوں کے مسئلہ سے تعبیر کرتے رہے ہیں یہ ثواب آکر کھلا ہے کہ ہندوستان میں اقلیت کا کوئی مسئلہ واقعی نہیں ہے مسئلہ تو یہاں اکثریت کا ہے، اب آئندہ اسی اکثریت کے مسئلہ کو حل کرنے کی طرف انھیں پورا ادھیان لگانا چاہیے

تفسیر حقانی

ایک اعلیٰ درجے کی تفسیر

تفسیر عام فہم بھی ہے اور معلومات و مطالب کا بیش بہا خزانہ بھی۔ قرآن پر حقیقتہً بھی اعتراضات کئے جاتے رہے ہیں ان سب کا شافی و کافی جواب اس میں ملتا ہے۔ معرفت و روحانیت کے علوم بھی اس میں علوم شریعت کے ساتھ ساتھ بڑی عمیقی سے منضبط کئے گئے ہیں آیات کا شان نزول آیات کا ربط اور احادیث کے ذریعے قرآنی قصص و واقعات کی تفصیل و تشریح میں بھی مفسر نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ غرض تفسیر اپنی نوعیت میں یکتا ہے۔ عوام و خواص سب کے لئے نافع۔ عام قیمت ۲۲ روپے ہے مگر ہم شائقین کو ۶۰ روپے میں پیش کرتے ہیں۔ — مجلہ معمولی ۶۲ روپے۔ مجلہ بہتر ۶۸ روپے۔

البیان فی علوم القرآن

یہ اسی تفسیر کا مقدمہ ہے مگر بجائے خود ایک کتاب بھی ہے ضخیم اور مبسوط۔ اس میں قرآن فہمی کے لئے بے شمار معلومات جمع ہیں اور علوم قرآنی کی ہر شاخ گہرائی کے ساتھ موجود ہے۔ بہت دلچسپ اور مفید۔ چھ روپے (مجلد سات روپے)۔
وہ خصوصاً سعادت :- جو حضرات پوری تفسیر اور البیان ایک ساتھ طلب کریں گے ان سے محصول نہیں لیا جائے گا۔ وہ اپنا ریلوے اسٹیشن ضرور لکھیں۔

ہفت روزہ مکمل و مکمل
ہفت روزہ کے شرعی مسائل پر مشتمل اس کتاب کا ہر گھر میں رہنا ضروری ہے۔ اسے گھر بلیو مفتی تصور فرمائیے۔ ماؤں بہنوں بیٹیوں کے لئے خاص چیز۔ بارہ روپے (مجلد نذرہ روپے)۔
معراج المؤمنین
قرآن و حدیث کی روشنی میں نماز کے معارف اور روحانی بصائر کا مفصل مجموعہ۔ قیمت دو روپے۔

بے مثال زندگی
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر لیکن جامع سیرت جدید اسلوب میں حافظ امام الدین رام نگر کی شگفتہ اور رواں قلم سے۔ ۶۵ پیسے
حصین
شب و روز کے تمام معمولات اور زندگی کے ہر شعبے سے متعلق حدیث سے منقول دعاؤں کا شہور مجموعہ عربی مع اردو ترجمہ۔ قیمت دس روپے ۱۰/-
خطبات مدراس
اسیرت کے موضوع پر مولانا سید سلیمان ندوی کے شہرہ آفاق خطبات اپنی نوع کی واحد چیز۔ ساڑھے تین روپے۔ ۳/۵۰

برایان اللسان
بہترین عربی اردو دکتھری ہزاروں الفاظ محاورے۔ ضرب الامثال۔ مجلہ دس روپے
قاموس القرآن
الفاظ قرآنی کی لاجواب لغت۔ قرآن کو خود اس زبان میں سمجھنے کے لئے یہ لغت بہت مفید و کامیاب سمجھی ہے۔ مجلہ نو روپے۔
اسلامی حکومت کے نقش و نگار
اسلامی تاریخ کی سبق کرداری اور عدل و امانت کے اعلیٰ نمونے۔ پونے دو روپے۔

مصائب الصحابہ
الصحابہ رضی اللہ عنہم کی سزا میں صحابہ نے کیا کیا نہیں جھیلا۔ اس داستانِ نوحیگان کو نور الحسن بخاری کے شرف نگار قلم سے پڑھیے مستند اور سبق آموز۔ دو روپے۔

مسلمانان ہند و پاکستان کی تاریخ تعلیم
تالیف پروفیسر ایم۔ اے۔ مع خواشی و تعلیقات۔ مفتی انتظام اللہ شہابی۔
قیمت پونے سات روپے۔ ۶/۵۰

غلط فہمی کا ازالہ

میں نہایت صفائی کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ مضمون یا اس خط سے جس کا اقتباس اخبار "مدینہ بخیر" مورخہ ۵ نومبر ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا ہے جھکو یا میر نے فرشتوں کو دور کا بھی واسطہ نہیں ہے اور یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ نامہ نگار کون ہے۔

مولانا موصوف نے جن بھاری بھکم الفاظ میں دین و ایمان کے واسطہ سے برأت کرتے ہوئے مضمون کی تردید کی ہے اگر واقعی یہ الفاظ زیادہ وزن دار ہیں تو میں بھی ان الفاظ میں برأت و تردید کرتا ہوں خدا سے قادر و قہار کو حاضر و ناظر جان کر اور دین و ایمان کے تمام تقاضوں پر یقین رکھتے ہوئے بزبان و قلم انکار کرتا ہوں کہ یہ مضمون میرا ہے نہ میں نے لکھا ہے نہ میرے علم میں ہے کہ یہ کس نامہ نگار کا کا نامہ ہے۔ جھوٹ بولنے والے بد خدا کی مار، خدا کی پھٹکار اور ہزار بار لعنت۔ "والی اللہ الملتئمتی والذی اللہ المستعان"

مولانا موصوف سے گزارش ہے کہ آپ کے بقول اس عظیم جھوٹ سے پہاڑ لرزتا ہے مگر مجھے تو اندیشہ ہے کہ شق الارض و الجبال کا حادثہ بھی مسجد عبدالنبی سے ہی ظاہر ہونے والا ہے جبکہ وہ علماء کرام جن کو امت کی قیادت و رہنمائی اور رشد و ہدایت کی ٹھیکیداری کا دعویٰ ہے جن کے سینوں میں قرآن کیم معہ نقیر مطالب محفوظ یا مدون ہے محض بدگمانی اور شک و شبہ کی بنیاد پر بلا تصدیق و تحقیق جرأت بے باکانہ کے ساتھ حق و انصاف کے علی الرغم سفید جھوٹ کا ارتکاب بہتان تراشی اور اتہام طرازی فرمائیں اور خداوندی وعیدوں سے بے نیاز ہو کر دین و ایمان کے تقدس کو پارہ پارہ کر ڈالیں تو نہ صرف پہاڑ لرزیں گے بلکہ زمین آسمان شق ہوں گے۔

"ان بطش ربك لشديد"

۵ نومبر ۱۹۵۷ء کے مدینہ اخبار "بخیر" میں ایک مضمون "خط کا اقتباس" شائع ہوا تھا جو کسی نامہ نگار "گھک" بھیدی لکھا ڈھانے نے مدینہ مدینہ کے نام مسجد عبدالنبی سرکاری دفتر جمعیتہ علماء ہند سے درود بھرا خط لکھا تھا جس میں کچھ راز افشا کئے گئے تھے۔

مولانا محمد ایوب صاحب انصاری آفس سکرٹری سرکاری جمعیتہ علماء ہند نے اخبار "الجمیۃ" مورخہ ۲۱ نومبر ۱۹۵۷ء کے صفحہ اول پر تردید کرتے ہوئے برأت شائع کی ہے اور اس میں رقم الخروف کو اس خط کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ اگرچہ میرا نام نہیں لکھا لیکن اس میں جو نشاندہی کی گئی ہے اس سے میری ہی جانب اشارہ ہے اور میں ہی مراد ہوں۔ جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ میرے سوا اور کوئی دوسرا مسجد عبدالنبی سے نومبر ۱۹۵۷ء سے غیر حاضر نہیں ہے جس کے ہاتھ میں اس وقت ٹی بندھی ہو اور پلاسٹک پڑھا ہوا ہو۔

میں نے مولانا موصوف سے بذریعہ رجسٹرڈ خط مورخہ ۲۷ نومبر ۱۹۵۷ء صراحتاً دریافت کیا تھا کہ کیا مضمون نگار سے میں ہی مراد ہوں اور یہ خط آپ کے دستخط اور اجازت سے شائع ہوا ہے مگر مولانا موصوف نے جواب دینے کی زحمت نہیں فرمائی۔ اس قدر شدید ہمت اور الزام کے باوجود میں خاموش رہا۔ حالانکہ دستوں نے تقاضا کیا کہ اس سلسلہ میں اقدامات کروں۔ مگر چونکہ اپنا دامن پاک تھا اس لئے خاموش رہنا ہی مناسب سمجھا۔

لیکن جب جھکو سفر میں مختلف مقامات پر جانے کا اتفاق ہوا اور وہاں احباب کو غلط فہمی میں مبتلا پایا۔ بعض دوستوں کو کبیدہ خاطر بھی دیکھا مگر جب ان پر حقیقت تکشف کی گئی تو انہوں نے تقاضا کیا کہ مجھے بھی اپنی برأت شائع کر دینا چاہیے۔ چنانچہ یہ سطور لکھ رہا ہوں۔

پان کا بیڑہ اور دانتوں میں پٹری ہوگی۔ بے خوف و خطر ایسا شدید بے بنیاد اتہام لگا ڈالا۔ حسام الدین غفر لہ خادم جمعیتہ العلماء ہند دہلی۔ ۱۲ اپریل ۱۹۶۶ء۔

بچپن میں مکتب کے بچوں میں مشہور تھا کہ اگر منہ میں تین کا لیکر جھوٹی قسم کھائی جائے تو اس پر نہ گناہ ہے نہ مواخذہ۔ شاید مولانا موصوف نے بھی ایسی حالت میں کہ ان کے منہ میں

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے سرکاری خطوط | شروع میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی عظیم

شخصیت کے قلمی خدو خال۔ پھر ان کے خطوط کا ترجمہ اور آخر میں عربی کے اصل مکتوب۔ چار روپے (مجلد ساڑھے پانچ روپے) ۵/۵

قصص القرآن کامل | چار جلدوں میں مولانا حفص الرحمن صاحب کی گرانقدر

تالیفات نبیاء علیہم السلام کے حالات اور انکی دعوت حق اور پیغام کی تفصیلات پر اس درجے کی کوئی کتاب کسی زبان میں شائع نہیں ہوئی۔ قیمت مکمل غیر مجلد ساڑھے ستائیس روپے۔ ۲۴/۵

تحقیق مزید | خلافت معاویہؓ و یزیدؓ کے بعد محمود عباسی کی دوسری فکر انگیز کتاب۔ آٹھ روپے۔

مکمل لغات القرآن | چھ جلدوں میں

اگر دو زبان میں لغت قرآن کے موضوع پر جامع، مکمل، اور مستند کتاب۔ مدرسوں اور عام مسلمانوں کے لئے یکساں کارآمد اور لائق مطالعہ۔ قیمت مکمل پینتیس روپے۔

دہر حصہ مجلد طلب کرنا ہو تو چھ روپے اضافہ فرمائیں)

امام غزالی کا فلسفہ مذہب و اخلاق | امام عالی

فلسفہ مذہب و اخلاق کا تفصیلی بیان۔ ایک بصیرت افروز کتاب۔ بڑا سا نثر صفحات ۲۵۰ غیر مجلد نو روپے۔ (مجلد دس روپے)

در نجف

آنکھوں کی بیماریوں کا دشمن۔ بینائی کا محافظ۔

ایک تولہ ۶ روپے۔ ۶ ماشہ ساڑھے تین روپے۔ ڈاک خرچ ڈیڑھ روپیہ کوئی سی تین شیشیاں ایک ساتھ طلب کرنے پر ڈاک خرچ معاف

عطر و حین

دلنوا اور پرکیف خوشبو تیز اور دیرپا ایک تولہ بارہ روپے۔ چھ ماشہ ساڑھے چھ روپے تین ماشہ ساڑھے تین روپے۔ ڈیڑھ ماشہ دو روپے۔

گلزار سینٹ

نسبتاً ہلکی خوشبو۔ فرحت بخش اور روح پرور ایک تولہ دس روپے۔ چھ ماشہ ساڑھے پانچ روپے تین ماشہ تین روپے۔ ڈیڑھ ماشہ ڈیڑھ روپیہ

ترباق معدہ

معدہ و جگر کیلئے ایک نعمت۔ ریاحی تکالیف کے لئے

خاص تحفہ

خوراک صرف ایک رتی مفصل ترکیب ساتھ بھیجی جاتی ہے۔ ۲۱ دن کا کورس تین روپے۔

عطر یا ترباق معدہ در نجف کے ساتھ طلب کیے جاتے تو علیحدہ ڈاک خرچ نہیں لگتا۔ دار الفیض حمانی۔ دیوبند (یو۔ پی)۔

(بشکریہ بینات)

(مولانا مفتی محمد شفیع)

ذبح کا سنون طریقہ

مشینی ذبح کے متعلق شرعی مسائل

الجواب

(۱) یہ قول صحیح نہیں۔ جانور کے حلال ہونے کیلئے بہ نصق سنن نہ کوۃ شرعی ضروری ہے اور "زکوۃ اختیاری" کا طریقہ شرعیہ ذبح یا نحر ہے اور ان کا محل حلق اور لبتہ ہے جس کا تعین حدیث صحیح میں "امور عادیہ" کے طور پر نہیں بلکہ "تشریحی" طریقے پر کیا گیا ہے۔

(۲) اس طرح جانور کی گردن اوپر کی طرف سے کاٹ کر علیحدہ کر دینا خواہ دستی چھری کے ذریعہ ہو یا کسی مشین کے ذریعہ ذبح کے شرعی طریقہ کے خلاف اور باتفاق جمہور ناجائز اور گناہ ہے۔ البتہ جو جانور اس ناجائز طریقہ سے ذبح کر دیا گیا ہے۔ اس کا گوشت حلال ہونے میں تفصیل ہے کہ اگر کمر بن دبانے سے بیک وقت چھری سب جانوروں کی گردنوں پر آگئی اور بسم اللہ پڑھ کر کمر بن دیا گیا تو یہ ایک بسم اللہ سب کے لئے کافی ہوگئی۔ ورنہ اگر آگئی چھ گردنیں کمر بن تو یہ بسم اللہ صرف پہلے جانور کے لئے کافی ہوگی۔ باقی جانوروں کے لئے بسم اللہ معتبر نہ ہوگی اور اسی لئے باتفاق امت یہ جانور حرام اور مردار قرار پائیں گے۔

الاستفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ :-

(۱) بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ احادیث میں جو طریق ذبح مذکور ہے۔ یعنی حلق اور لبتہ پر چھری، چاقو وغیرہ دھا ردار آلہ سے ذبح یا نحر کرنا "امر تعبداً" نہیں بلکہ "امر عادی" ہے۔ عرب میں چونکہ اسی طرح جانور ذبح کئے جاتے تھے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی چند ہدایات کیساتھ اسی طریق کو قائم رکھا لہذا مسلمان یا کتابی بسم اللہ یا اللہم آگے کہہ کر جس طریق پر بھی جانور ذبح کر لیں ذبیحہ حلال ہوگا یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟

(۲) صنعتی ترقی کے اس مشینی دور میں انسان زیادہ سے زیادہ کام اپنے ہاتھ سے کرنے کی بجائے مشینوں سے لے رہا ہے۔ چنانچہ یورپ و امریکہ میں ایسی برقی مشینیں ایجاد ہوگئی ہیں کہ بہت سارے جانور اس کے نیچے کھڑے کر دیئے جاتے ہیں اور ایک مرتبہ کمر بن دبانے سے ان سب کی گردنیں کٹ جاتی ہیں۔ تو اگر کمر بن دبانے والا مسلمان یا کتابی بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر کمر بن دبانے تو یہ بسم صحیح اور ذبیحہ حلال ہوگا یا نہیں

۹۹۹۹۹

پھر اس طرح گردن کے اوپر سے ذبح کئے ہوئے جانور جن پر بسم اللہ پڑھنا معتبر بھی ہے۔ ان کے حلال ہونے میں

وجہ سے قابو سے نکل جائے۔ مقررہ طریق پر ذبح نہ کیا جاسکے۔ دوسری صورت کی زکوٰۃ حسب تصریح احادیث صحیحہ لبسم اللہ کے ساتھ تیر یا نیزہ وغیرہ سے زخم لگا کر زخمی کر دینا اور خون بہا دینا ہے۔ ذبح یا تخریض نہیں۔ اور پہلی قسم یعنی اختیاری زکوٰۃ کے لئے ذبح یا تخر ضروری ہے۔ گائے، بیل اور بکری ذبح کرنے کا اور اونٹ میں تخر کرنے کا حکم ہے۔

ذبح کی حقیقت یہ ہے کہ چار رگیں حلقوم اور تری اور ان دونوں کے دو طرف گردن کی رگیں جن کو "ودجین" کہا جاتا ہے، ان کو قطع کر دینا۔ اور تخر کی صورت یہ ہے کہ جانور کو کھڑا کر کے اس کے لبہ یعنی حلقوم کے گڑھے میں نیزہ یا چھری مار کر خون بہا دیا جائے۔

ترآن عزیز میں گائے کے متعلق ان تذبحو بقرۃ اور فذبحوها کے الفاظ سے اور دنبہ کے متعلق فذیناہ بذبح عظیم کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ گائے، بیل، بکری، دنبہ وغیرہ میں ذبح کرنا مستحب ہے اور فصل لربک وانحر کے الفاظ سے اونٹ کا تخر کرنا معلوم ہوا کیونکہ یہ آیت اونٹ کی قربانی کے متعلق نازل ہے۔ دوسری جگہ قرآن مجید میں اونٹوں کے متعلق صواف کا لفظ بھی آیا ہے۔ اس سے بھی اونٹ کا تخر ہی مفہوم ہوتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا تعامل بھی ہمیشہ یہی رہا ہے۔ اس کے خلاف یعنی اونٹ کو ذبح کرنا یا گائے، بکری وغیرہ کا تخر کرنا کہیں منقول نہیں۔ اس لئے باتفاق امت ایسا کرنا جائز نہیں۔ اگر کسی نے سنت کے خلاف ایسا کر دیا تو حضرت امام مالکؒ کے نزدیک اس کا گوشت بھی حرام ہو گیا۔ مگر دوسرے ائمہ کے نزدیک اگرچہ طریقیہ زکوٰۃ خلاف سنت ہونے کا گناہ ہوا مگر چونکہ حقیقت زکوٰۃ کی پائی گئی اس لئے گوشت حلال ہے۔

لہذا فی البداءہ و لو نحر ہا ینذبح و ذبح ما ینحدر کئے جانے والے جانور کو تخر کر دیا یا تخر کئے جانے والے جانور کو ذبح کر دیا

فقہاء صحابہ و تابعین میں اختلاف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس کا بھی حرام ہونا منقول ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس طریقیہ ذبح کے ناجائز اور گناہ ہونے کے باوجود اس کے گوشت کو حلال قرار دیتے ہیں۔ (صحیح بخاری کتاب الذبائح)

تفصیل و تشریح جواب

تفصیل اس اجمال کی ہے کہ قرآن کریم نے کسی جانور کا گوشت حلال ہونے کے لئے نہ کوئی ضروری قرار دیا ہے۔ بغیر زکوٰۃ شرعی کے ذبیحہ قطعاً حرام ہے یہ زکوٰۃ قرآن کا ایک اصطلاحی لفظ ہے۔ جس کی تشریح عنقریب آئے گی۔

سورہ مائدہ میں قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے:-
حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَحُمُرُ الْخَنزِيرِ وَمَا أُجِلَ لِيَعْبُدَ اللَّهُ بِهِ وَاسْمُ الْوَتْقِ ذُو الْأُتْرُقِ وَالطَّيْحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَيْتُمْ۔

اس آیت کریمہ میں حرمت سے مستثنیٰ صرف وہ جانور ہیں۔ جن کو زکوٰۃ شرعی کے ذریعہ حلال کر لیا گیا ہو۔ زکوٰۃ شرعی کے متعلق امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں فرمایا وحقیقۃ التذکیۃ اخراج الحرات الفریزیۃ لکن خص فی الشراعیہ بابطال الحیات علی وجہ دون وجہ۔

امام راغب کی اس تصریح سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ نہ کوئی مطلقاً جانور کو قتل کر دینے کا نام نہیں۔ بلکہ اس کے لئے ایک خاص طریقیہ مقرر ہے۔ دوسرے یہ کہ خاص طریقیہ محض عادات و رسوم کے تابع نہیں۔ بلکہ ایک شرعی اصطلاح اور ایک قانون ہے۔

پھر قرآن و سنت نے زکوٰۃ کی دو صورتیں قرار دی ہیں۔ ایک اختیاری جیسے گھریلو اور پالتو جانوروں کی زکوٰۃ۔ دوسرے غیر اختیاری جیسے شکار۔ یا جو جانور کسی

چاروں چیزوں کا قطع کرنا ہے۔ یعنی حلقوم جس سے سانس اندر آتا جاتا ہے اور مری جس سے غذا اندر جاتی ہے اور دونوں گریں کی موٹی رگیں جن سے خون کا سیلان ہوتا ہے اور ان کا محل متعین کرنے کے لئے ہدایہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نقل کی ہے۔ جس میں ارشاد ہے۔ الذکاۃ بین اللبۃ واللحمین یعنی ذبح دونوں جہڑوں کے نیچے گردن اور سینے کے درمیانی کٹھنہ تک ہے۔ اس درمیان میں جس جگہ سے بھی کاٹ دیا جائے ذبح درست ہوگا۔ جمہور فقہاء اہل امت کے نزدیک ذبح کی یہی تعریف ہے اور عام کتب فقہ میں یہی مذکور ہے۔ البتہ اس میں ائمہ مجتہدین کے اقوال مختلف ہیں کہ ان چاروں میں سے اگر کوئی رگ رہ جائے تو ذبیحہ حلال ہوگا یا نہیں۔ جس کی تفصیل میں جلنے کی اس جگہ ضرورت نہیں اس سے معلوم ہوا کہ ذبح کا سنون اور شرعی طریقہ وہی ہے جو عام طور پر مسلمانوں میں رائج ہے کہ جانور کو لٹا کر گلے کی یہ چار موٹی رگیں قطع کر دی جائیں۔ جن سے خون بہہ جائے اور سر بالکل دھڑ سے علیحدہ بھی نہ ہو گلے کو بالکل آخر تک کاٹ دینے کو صحیح کہا جاتا ہے۔ حدیث صحیح بخاری میں اس کو منع کیا گیا۔

عن ابن جریر و ابی یوسف
اخبرونی نافع ان ابی نعیم
نہی عن النخع یقول یقطع
مادد العظم ثم یدع
حتى یموت۔

یعنی حضرت عبد اللہ بن عمر صحیح کرنے سے منع فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ گردن کی آخری ہڈی جس کو نخاع کہا جاتا ہے اس کو قطع نہیں کرنا چاہئے بلکہ چار رگیں کاٹ کر چھوڑ دیں یہاں تک کہ جانور مرجائے۔

اور بدائع صنائع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل ہے کہ الذکاۃ تنحی الذبیحۃ۔ یعنی مذبح جانور کا سر بالکل دھڑ سے مت الگ کرو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی رائے اور قیاس کا معاملہ نہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر صحیح کا منع فرمانا اس کی دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی صحیح کرنے سے منع فرمایا تھا۔ اس لئے گلے کی رگوں کو اتنا گہرا کاٹنا کہ آخر گردن تک

تو ذبیحہ حلال ہوگا اس لئے کہ گریں کی رگوں کا کٹنا یا لگنا۔ لیکن مکروہ ہوگا اسلئے کہ سنت اونٹ میں خر ہے اور باقی میں ذبح ہے۔ امام مالک کا قول ہے کہ اگر اونٹنی کو ذبح کر دیا تو وہ حلال نہ ہوگی اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ فصل لربک وانحر میں اونٹ کو خسر کرنے کا حکم دیا ہے تو جب اس شخص نے بجائے خر کے ذبح کر دیا تو اس نے فعل مامور بہ (جس کا حکم تھا) اس کو ترک کر دیا۔

جانور کے حلال ہونے کے لئے زکوٰۃ شرعی کی شرط اور زکوٰۃ کی اقسام و احکام کے متعلق مذکورہ بالا تصریحی بات قرآن و سنت اور اقوال صحابہ و تابعین اتنی بات سمجھنے کے لئے کافی ہیں کہ ذبیحہ کا جو طریقہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے۔ وہ محض رسم و عادت نہیں، بلکہ جاہلیت کی رسموں اور عادتوں کو بدل کر ایک "تعبدی" طریقہ جاری کیا گیا ہے جس کی خلاف ورزی گناہ ہے اور بعض صورتوں میں ذبیحہ بھی حلال نہیں ہوتا۔

موجودہ سوال میں ذکات غیر اختیار ہی اور اونٹ کے خر کی بحث نہیں۔ زیر بحث صرف وہ جانور ہیں جنکی ذکات کا سنون طریقہ ذبح ہے۔ یعنی گائے، بیل، بکری، دنبہ وغیرہ۔ اس لئے ذبح کی شرعی حقیقت اور اس کی شرائط پر کسی قدر مزید تفصیل لکھی جاتی ہے۔ جس سے دوسرے سوال کا جواب واضح ہو جائے گا۔

ذبح کی تعریف صحیح بخاری میں حضرت عطاء بن ابی رباح سے یہ نقل کی گئی ہے۔ الذبیح قطع الاوداج۔ اس میں اوداج۔ ورج کی جمع ہے جو حلقوم اور مری کے دائیں بائیں دو موٹی رگوں کا نام ہے اور عادتاً ان کا قطع کرنا حلقوم اور مری کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ اسلئے مراد ان

پہنچ جائے۔ اس حدیث کی رو سے ناجائز ثابت ہو اور اس سے زیادہ اشد گناہ اور ناجائز یہ ہے کہ گدھی کی طرف سے کاٹا جائے اور سر کی دھڑ سے علیحدہ کر دیا جائے۔ ہدایہ میں ہے:

ومن بلغ بالسکین النخاع
او قطع الرأس کره لئ
ذالك وتوصل ذبیحة
وان ذبح الشاة من قفاها
فبقيت حية حتى قطع
العروق حل لتحقق الموت
بما هو ذکاة -

اور شخص نے ذبح کے وقت چھری کو نخاع تک یعنی گردن کی آخری ہڈی تک پہنچا دیا تو یہ مکروہ ہے مگر ذبیحہ حلال ہے اور اگر کبری کو گدھی کی طرف سے ذبح کیا اور وہ عروق ذبح قطع ہونے تک زندہ رہی تو ذبیحہ حلال ہو گیا۔ مگر ایسا کرنا مکروہ و ناجائز ہے۔

درختخار اور شامی میں ہے۔

ذکرہ ذبح حما من قفا
هنا ان بقیت حية حتى
تقطع العروق والذکر
تحل لموتها بلاد ذکوة
والنخاع قطع الرأس -

اور جانور کو گدھی کی طرف سے ذبح کرنا مکروہ ہے اگر جانور کیسے قطع ہونے تک زندہ رہے۔ ورنہ حلال نہیں۔ کیونکہ وہ قبل ذبح مر گیا اور نخاع کرنا بھی مکروہ ہے یعنی گردن کی آخری ہڈی تک کاٹ دینا اور سر کو کاٹ دینا۔

اور بدائع صنایع میں ہے۔

ولو ضرب عنق جزو سر،
او بقرة او شاة بسيفه
فاباقتا وسهی فان کان
ضریهما من قبل الحلقوم
توکل وقد اساعا اما
حل الاکل فلا نهاتی
فبعل الذکاة وهو قطع
العروق واما الاساعة
فلا نه تراذ فی المهاریة
لا محتاج الیها فی الذکاة
فیکره ذک و ان ضری بها

اور اگر اونٹ یا گائے یا بکری کی گردن پر تلوار مار کر گردن لگ کر دی اور رسم اللہ پڑھ کر ایسا کیا تو اگر یہ کام حلق کے ذبح سے کیا ہے تب تو ذبیحہ حلال ہے مگر ایسا کرنا ٹہر ہے۔ ذبیحہ کی حالت تو اس لئے ہے کہ ذکات کی شرائط پائی گئیں اور برائی اور گناہ اس لئے ہے کہ اس شخص نے بلا ضرورت جانور کو غیر ضروری تکلیف دی۔

من القفا فان ماتت قبل
القطع بان ضرب علی
النأنی والتوقف لا توکل
لا تضامات قبل الزکاة
فکانت میتة وان قطع
العروق قبل موتها توکل
لوجود فعل الذکاة وھی
حیة الا انه یکره ذک
(بدائع ص ۲۲ ج ۵)

اس لئے مکروہ ہے اور اگر گردن کے اوپر سے تلوار مار کر گردن الگ کی ہے تو اگر عروق ذبح تک تلوار پہنچے سے پہلے جانور مر گیا۔ مثلاً آہستہ آہستہ کاٹا۔ اور ذبح کی رگوں تک پہنچنے سے پہلے مر گیا تو وہ مردار ہے کھانا اس کا حلال نہیں اور اگر فوری طور پر کاٹا گیا اور مرنے سے پہلے ذبح کی رگس کٹ گئیں تو گوشت حلال ہے اگرچہ یہ طریقہ ذبح مکروہ و ناجائز ہے۔



روایات مذکورہ بالا سے ثابت ہو کہ جانور کو گردن کے اوپر سے کاٹنا ذبح کے طریق مشروع کے خلاف اور ناجائز ہے اور گردن کو دھڑ سے علیحدہ کرنا الگ ایک مکروہ فعل ہے۔ اگر گردن کے اوپر سے کاٹنے کی صورت میں آہستہ آہستہ کاٹا جائے۔ جس سے عروق ذبح قطع ہونے سے پہلے موت واقع ہو جائے تو اس صورت میں ذبیحہ بھی حرام اور مردار ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر تیز چھری سے فوراً گردن الگ کر دی جائے تو طریق ذبح خلاف ہونے کے گناہ کے باوجود اگر رسم اللہ پڑھ کر یہ عمل کیا گیا ہے تو ذبیحہ حلال قرار پائے گا۔

بخلی کی ششوں کے ذریعہ اوپر کی طرف سے چھری گردن پر لڑ کر گردن کاٹ دینے سے بظاہر یہ صورت تو نہ ہو گی کہ عروق ذبح قطع ہونے سے پہلے موت واقع ہو جائے کیونکہ یہ قطع بڑی سرعت اور تیزی کے ساتھ ہو گا اسلئے اگر ششوں کی چھری گردن پر رکھنے والے نے بسم اللہ کہہ کر چھری رکھی ہے تو کو غیر مشروع طریقہ سے ذبح کرنے کا گناہ ہو مگر گوشت حلال ہو گیا۔

لیکن یہاں ایک مسئلہ دو سرا یہ سامنے آتا ہے کہ بہت سے جانوروں کی ششوں کے پچھلے حصے کے اگر ایک مرتبہ

کر دیا تو یہ بکری مردار ہے اس کا کھانا جائز نہیں۔ کیوں کہ جو بسم اللہ پڑھی گئی تھی اس کے اور ذبح کے درمیان فصل ہو گیا۔

اور بسووط میں امام محمدؒ کے حوالے سے یہ نقل کیا ہے کہ
 اس آیت الذابح یذبح الشاتین والشلاثة فیسمی علی الاول ویذبح التسمیة علی غیر ذلک عمداً قال یا کل الشاة اللتی سمی علیہا ولا یا کل ما سوی ذلک۔
 حضرت مسلمہ بتائیں۔ ایک ذبح کرنے والا دو یا تین بکریوں کو ذبح کرتا ہے اور اللہ کا نام پہلی پر لیتا ہے اور باقی پر عمداً چھوڑ دیتا ہے (اس کا کیا حکم ہے؟) فرمایا (ایسی صورت میں) صرف پہلی بکری حلال ہے باقی حلال نہیں۔

(بدائع صناعہ ص ۷۶)

البتہ اگر دو بکریوں کو ایک ساتھ رکھ کر دونوں کے گلے پر بیک وقت چھری پھیری ہے تو یہ تسمیہ دونوں کے لئے کافی ہوگا اور دونوں حلال ہو جائیں گی۔

لو اضع شاتین واهتر السکین علیہما معاً انہ تجز فی ذلک تسمیة واحدة (بدائع ص ۷۶)
 اگر دو بکریوں کو ایک ساتھ زمین پر لٹایا اور دونوں پر ایک ساتھ چھری پھیری تو اس صورت میں ایک تسمیہ لگنا کافی ہوگا۔

روایات مذکورہ کی روشنی میں مسئلہ زیر بحث کہ بہت سے جائز دشمن کی چھری سے نیچے کھڑے کر دیئے جائیں اور بسم اللہ پڑھ کر ان کی گردن کاٹ دی جائے۔ اس میں غیر مشروع طرقت پر ذبح کرنے کے گناہ کے علاوہ صرف وہ جانور حلال سمجھے جائیں گے جن پر چھری بیک وقت پڑی ہے۔ بشرطیکہ دشمن کی چھری چلانے کے وقت بسم اللہ پڑھی گئی ہو۔ اور بعض صیباہ کے نزدیک یہ بھی طریق ذبح غیر مشروع ہونے کے سبب حرام ہے اور جن جانوروں کی گردن پر چھری بسم اللہ پڑھنے کے بعد تدریجاً پڑی ہے وہ ترک تسمیہ کی وجہ سے جمہور کے نزدیک حرام اور مردار قرار پائیں گے۔

بسم اللہ پڑھی گئی تو کیا وہ سب جانوروں کے حلال ہونے کے لئے کافی ہے۔ یا صرف پہلے جانور کے لئے کافی ہوگی اور دوسرے جانور مردار قرار پائیں گے۔

اس کے متعلق مقتضی تفصیل اور اصول شرعیہ کا یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھنا اور ذبح کرنا دونوں متصل واقع ہوں۔ معمولی ایک آدمہ منط کی تقسیم کا تو کوئی اثر نہ ہوگا۔ کیونکہ اتنا فرق ہو جانا عادتاً ناگزیر ہے۔ مگر اس سے زیادہ تقسیم ہوئی تو یہ تسمیہ ذبح کے متصل نہ ہونے کے سبب کالعدم ہو جائے گا اور جانور مردار قرار پائے گا۔
 ”بدائع صناعہ“ میں ہے:-

فوقھا فی الذکاة التسمیہ بسم اللہ کہنے کا وقت الاختیاریة وقت الذابح لا یجوز تقدیمھا علیہ الا بزمان قلیل لا یمکن التحریز عنہ لقولہ تبارک وتعالی ولا تأکلوا مما لم ینذکرا سم اللہ علیہ والذابح مضمرفیہ معناه ولا تأکلوا مما لم ینذکرا سم اللہ تعالی علیہ من الذابح ولا یتحقق ذکرا سم اللہ تعالی علی الذابح الا وقت الذابح۔

(بدائع صناعہ ص ۷۶)

اسی بنا پر صاحب بدائع نے امام ابو یوسفؒ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ اگر ایک شخص نے ایک بکری کو ذبح کرنے کے لئے لٹایا اور اس پر بسم اللہ پڑھی پھر اس کو چھوڑ کر دوسری بکری کو اسی سابقہ تسمیہ پر اتفاکہ کے ذبح کیا ہو۔

(۱) مشین کے ذریعہ ذبح کرنے والا آدمی مسلمان یا نصرانی

یا یہودی ہے۔

(۲) مشین کی چھری جانوروں کی گردن تک پہنچانے کے وقت اس نے خالص اللہ کا نام بسم اللہ اللہ اکبر پڑھا ہو۔

(۳) یہ چھری جتنے جانوروں کی گردن پر بیک وقت پڑی ہے وہ جانور ممتاز اور الگ ہوں۔ دوسرے جانور جن پر

چھری بعد میں پڑی ہے اور وہ مردار ہیں۔ ان کا گوشت پہلے جانوروں کے گوشت میں مخلوط نہ ہو گیا ہو۔ مگر ظاہر ہے

کہ باہر سے جانے والے اور مختلف علاقوں کے رہنے والے مسلمانوں کو ان شرائط کے پورے ہونے کا علم ہونا آسان

ہیں اس لئے اجتناب ہی بہتر ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم

خلاصہ کلام

مذکورہ بالا تفصیل میں سوال کے دونوں نمبروں کا جواب آگیا اور خلاصہ اس کا یہ ہے کہ یورپ کے شہروں کا مروجہ طریقہ ذبح خلاف شرع اور موجب گناہ ہے مسلمانوں کو جہاں تک قدرت ہو اس سے بچیں اور اپنے ملکوں میں اس کے رواج کو بند کریں اور یورپ کے علاقوں میں رہنے والے مسلمان جو اس طریقہ کے بدلے پر قادر نہیں اور گوشت کی ضرورت بہر حال ہے ان کے لئے مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ اس گوشت کا استعمال کرنا جائز ہوگا۔ ان میں سے ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو حرام ہوگا۔

مسجد سے نکل کر

ملائی کے قلم پاروں کا شاندار انتخاب کتابی شکل میں چھپ گیا ہے۔ یہ انتخاب قارئین کے لئے تو خاص تحفہ ہے ہی۔ پُرانے قارئین بھی اسے پرکشش پائیں گے کیونکہ ملائی نظر ثانی نے اسے مزید تیکھا پن عطا کیا ہے۔

اور سینے!

ملائی نے خاصا مفصل پیش لفظ بھی لکھ مارا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ایسا لغو مگر پہلو دار پیش لفظ آج تک بڑے سے بڑا حتم بھی نہ لکھ سکا ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ صفحات ۱۲۸ قیمت — پانچ روپے۔

مولانا مودودی سے ملنے

مولانا مودودی کی شخصیت، ان کے علم و فضل، ان کی دعوت، ان کے مشن، ان کی پوری زندگی کے احوال و کوائف پر اسعد گیلانی کی ایک مبسوط کتاب۔ دنیا بھر کے علماء، اہل فکر اور بابِ قلم کی آراء۔ مجلہ چھ روپے پچاس پیسے۔

عورت کیا کچھ کر سکتی ہے؟

اسرہ۔ خدیجہ نوید عثمانی۔ دوسرا ریک کی بعض خواتین کا ذکر جمیل۔ دلگداز اور اثر آفرین اسلوب

مکتبہ تجلی۔ دیوبند (پونہ)

میں۔ ادب و انشاء کی رعنائیوں لبریز۔ قیمت مجلد ایک روپیہ پچاس پیسے۔

بستان المحارثین (اردو)

تمام معروف و نیم معروف محدثین کی شخصیتوں اور کتابوں کا محققانہ تعارف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے قلم سے۔ قیمت مجلد ساڑھے پانچ روپے۔ ۵/۵۰

امام ابن ماجہ اور مسلم حدیث

اصحاح ستہ حدیث کی جامع امام ابن ماجہ بڑے بائے محدث تھے۔ انھوں نے علم حدیث کی طلب میں کیا کچھ مشفقین اٹھائیں اور ان کی کتاب سے متعلق کارآمد معلومات کا حال اس دلچسپ کتاب سے معلوم کیجئے۔ مجلد دس روپے۔

شمال ترمذی

ترمذی شریف کے جس حصے میں ترمذی کے مشاہیر یعنی ناک نقشہ عادات و خصائص مرغوبات وغیرہ کی حدیثیں آئی ہیں انھیں شمال ترمذی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اردو ترجمہ عربی متن۔

کشکول

ہدیہ مجلد آٹھ روپے۔ ۷/۰۰
مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے مختلف مضامین کا دلچسپ مفید اور ایمان پرور مجموعہ۔ گوناگوں معارف و لطائف۔ قیمت ساڑھے سات روپے۔

مفردات القرآن

ترانی الفاظ کی شرح و توضیح پر امام راغب کی وہ شہرہ آفاق کتاب جو بڑی بڑی تفاسیر کے لئے بنیاد کا درجہ رکھتی ہے۔ اردو ترجمہ کے ساتھ۔ ہدیہ چالیس روپے۔ ۴۰/۰۰

تاریخ فقہ اردو

دنیا کی عرب کی معروف ہستی علامہ شیخ محمد خضریٰ بک بصری کی معرکہ آرا کتاب کا سلیس اردو ترجمہ فقہ کی مرتب تاریخ اور پیش بہا معلومات کا خزانہ۔ مجلد نو روپے۔

کتاب الصلوٰۃ

انماز کے مسائل پر ویسے تو بہت سی کتابیں ہیں مگر مولانا عبدالشکور کی یہ کتاب اپنی نظیر آپ سے۔ قیمت ڈھائی روپے۔ ۲/۵۰

خدائی وعدہ

خدا کا وعدہ ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے دین کی مذکورہ گے اللہ بھی ان کی مدد فرمائے گا اس وعدے کو خدا نے کس طرح پورا کیا اسی حقیقت سے دلچسپ کتاب واقعات کی روشنی میں روشناس کی جاتی ہے ایک اچھوتی کتاب۔ درس آموز اور ایمان افروز۔ مجلد پانچ روپے۔

گناہ بے لذت

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے اس کتاب میں بہت سے ان گناہوں کو جمع کیا ہے جن کا عذاب تو شدید ہے اور ان کا ارتکاب ہم اپنی جہالت یا لاپرواہی کی وجہ سے برابر کرتے رہتے ہیں حالانکہ ان میں کوئی لذت بھی نہیں ہے۔ ہر مسلمان کے لئے یہ مختصر کتابچہ بجز نافع ہے۔ ممکن ہے اس کا مطالعہ آپ کو متعدد گناہوں سے بچنے کا موقع دیدے۔ قیمت ۲۵ پیسے۔

نجات المسلمین

اس کتاب کے میں حضرت مفتی صاحب نے کچھ ایسے اعمال جمع کئے ہیں جو بہت زیادہ اجر و ثواب کا موجب ہوتے ہیں۔ پچاس پیسے۔ ۱۰/۰۰

عقائد اسلام

مولانا عبدالحی حقانی کی ایک گرا نقدر کتاب۔ اسلام کی بنیادی عقائد کا نام ہے۔ کن چیزوں پر یقین رکھنا مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے ایک مفصل اور مستند کتاب۔ چار روپے۔

عورت کیا کچھ کر سکتی ہے؟

از۔ خدیجہ نوید عثمانی۔ دور مبارک کی بعض خواتین کا ذکر جمیل۔ دلگداز اور اثر آفریں اسلوب میں۔ ادب و انشاس کی رعایتوں سے لبریز۔ مجلد ڈیڑھ روپیہ۔ ۱/۵۰

لغات الہی پریش (کامل)

چھ ضخیم جلدات کی یہ نادر کتاب آج بھی ہم دے سکتے ہیں۔ تمام ذخیرہ حدیث کے الفاظ و محاورات وغیرہ کی اردو شرح طلباء بلکہ اساتذہ تک کے لئے ضروری علمی لائبریریوں کی جان۔

ہدیہ انٹی روپیہ
(طلب کرنے والے اپنا ریلوے اسٹیشن ضرور لکھیں)

مکتبہ تجلی دیوبند (دیوبند)

پاکستانی حضرات کتابوں کی فرمائش اس پتے پر کریں
مکتبہ عثمانیہ۔ مینا بازار ۲۲۸ پیرا آبی بخش کالونی۔ کراچی ۷ (پاکستان)

دعوتِ نظیر

دعوت کے فن میں یہ کتاب بہت مشہور ہے
مضامین مفید اور ایمان افزہ۔

قیمت سو اور وہیہ ۱/۲۵

تعلیم الدین مکمل اور محشی

عقائد و اعمال، سیاست و
معاشرت اور اخلاق و

تصوف کے گونا گوں پہلوؤں پر جاوی مولانا اشرف علی صاحب کی
یہ شہرت یافتہ کتاب نصیح اور روشن طباعت و کتابت کے
ساتھ قیمت ڈھائی روپے۔

مجموعہ دلائل الخیرات

حاشیہ پر تفصیل و شرح متن کے
ساتھ ترجمہ۔ شاہ ولی اللہ

مع حزب البحر و تصیہ بردہ مترجم
کے طریق کی تعلیم اور دیگر مفید
مشتملات۔ تین روپے۔ - ۳/۱

مسئلہ اجتہاد پر تحقیقی نظر

مولانا تقی امینی کے ذریعہ نگار
قلم سے اجتہاد کی حقیقت،

اس کے مفہوم کی وسعت، اس کی ضرورت اور اس کی شرائط
وغیرہ کی تشریح و توضیح۔ مجلد تین روپے۔

ہندی قسری مراسلا و کاغذات

ان حضرات کیلئے خاص
تحریر جو کسی دفتر میں

ہندی خط و کتابت اور ہندی کاغذات کو پڑھنے اور ان کا
جواب دینے کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ دو روپے

مقالات امینی

اجتہاد فقہ جدید کو مدون کرنے کی ضرورت
اور فقہ کے اجتماعی مسائل پر مولانا تقی امینی

کے چند قیمتی مقالات۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ ۱/۵

مقامات تصوف

جامعہ عربیہ آئندہ (جرات) کے
شیخ الحدیث کی ایک نفع کتاب۔

اس میں تصوف کے مختلف سلسلوں کے ذکر و بیان کیساتھ معتدل
تنقیدی اسلوب بھی موجود ہے جو تصوف اور شریعت میں ہم
آہنگی پیدا کرتا ہے۔ قیمت ساڑھے چار روپے۔ ۴/۵

مشکوٰۃ شریف کامل (اردو) اٹھارہ روپے۔

ترجمہ شریف کامل (اردو) مجلد اٹھارہ روپے۔

اسلام کا اقتصادی نظام

مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن
صاحب کے قلم سے۔ اسلام

کے معاشی نظام کی مکمل تفصیل۔ قیمت چھ روپے۔ ۶/۱
مجلد ساڑھے سات روپے۔

دیہاتی معالج

دیہیہ تو یہ کتاب بظاہر دیہاتیوں کے کام
کی نظر آتی ہے مگر حقیقتہً ایسا نہیں ہے۔ ہم

آپ بھی اس سے بیش بہا فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ کیونکہ اس میں آٹھ
دن لاتی ہونے والے تمام امراض کا علاج ایسی چیزوں سے تجویز
کیا گیا ہے جن میں سے کئی ہی چیزیں ہمارے گھروں اور بازاروں
میں موجود ہوتی ہے۔ مثلاً سیاہ مرچ، کھٹائی، شہد، پھلگری۔

اہسن، پیاز، الائچی، ہلدی وغیرہ۔ گھر میں اس کتاب کا رہنا
بڑی ہی نعمت ہے کہ بعض ناگہانی امراض یا حادثات میں یہ
فوری رہنمائی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ چھپائی اعلیٰ عکسی۔

انسانی اعضاء اور خانہ جزی بڑیوں کی بے شمار تصویروں۔
حصہ اول کے صفحات ۳۱۲ قیمت تین روپے۔ حصہ دوم
کے صفحات ۲۳۲۔ قیمت ڈھائی روپے۔

ایمان کیا ہے؟

شیخ عبدالحی محدث دہلوی کی ایک مفید
اہم کتاب کا اردو ترجمہ۔ ایمان کی حقیقت

اس کے اجراء اور بیادیں۔ اس کے ہر ضروری جزو کی تشریح۔
اس کے حدود اور احکام و عقائد۔ مجلد سو تین روپے۔ ۳/۲۵

المصالح العقلیہ

مولانا اشرف علی صاحب کی نادر کتاب۔ جس
میں انھوں نے بڑی تفصیل سے اسلامی

احکام کی حکمتیں اور عقلی خوبیاں بیان فرمائی ہیں۔
کامل تینوں حصے یکجا مجلد۔ ساڑھے چار روپے۔ ۴/۵

تاریخانی

ازین القضاة احمد بن محمد کی المذہبات کا تفسیر
اردو ترجمہ۔ یہ کتاب دلوں کو منکھلانے اور

ذہنوں کو پاک سازی کی طرف مائل کرنے والے واقعات و
قصص، مواظب و حکم اور آیات و احادیث کا دلکش گلہ سترہ
ہے۔ عربی متن بھی اردو ترجمے کے ساتھ۔ سو تین روپے۔ ۳/۲۵

مکتبہ حلی

دیوبند (دیوبند)

پاکستانی حضرات اپنی ضرورت کی ہر قسم مکتبہ عثمانیہ ۲۲۵ مینا بازار۔ پیرا ہی بخش کالونی۔ کراچی (پاکستان)
کی کتابیں اس پتے سے طلب فرمائیں

سببوں کا بادشاہ



طب قریم کا ایک نادر شاہکار

• نگاہ کا کام کرنے والوں کے لئے بہترین دوست

• رو بہ سستی بوجھد جالا

• بھولا سفید موٹا آنکھوں کے لئے

• آگے ترہڑے آنکھوں کے لئے

• پانی بہنا غرض اندھے پن کے

• ہوا آنکھوں کے جھلا مرض میں

• بغیر کسی مرض کے بھی اسے استعمال کرتے رہئے نگاہ نہ

گرے گی نہ ٹھکے گی۔

• ڈھکتی ہوئی آنکھوں کے سببوں پر سوتے وقت اسکا

لیپ کیے آپ دیکھیں آگاہی ہی میں آگاہیاں نازد مخلصا ہے۔

• انتہائی خوبی یہ ہے کہ ایسے میں ہباز خاند کے ماوجود

یہ آنکھوں میں لگتا اور کرتا ہونچ بلکہ کبھی اور ٹھنڈا کھینچا جاتا ہے

6/- ایک تولہ
3/50- ۶ ماشہ
مخموں ڈیننگ
ڈیڑھ روپیہ

کوئی بھی طبی شے ایک تو نگاہ نے پرمصول ویننگ مٹا

دارالقیض رحمانی۔ ڈرہنچ بلڈنگ۔ دیوبند۔ یو۔ پی۔ DEOBAND U.P.

طلبہ فرامیں
شہر لظاہر
تاج خضریات

کوئی کے ساتھ جاری مخصوص
مستی ملائی جانے سے طلبہ کے

• اسکا استعمال آنکھوں
• پٹائی کا تحفظ اور امراض کی
• مدافعت کرتا ہے
• رات کو استعمال کیجیے
• تو اون بھاری آنکھوں میں
• ترہڑا آگے دیکھا آنکھوں کے



بدرہضمی ہے پینول

استعمال کیجیے

نیا



پینول آپ کو ہضم کی غرابی سے پیدا ہونے والے تمام امراض سے
بچاتا ہے۔ تیزابیت کو دور کرتا ہے۔ تقیل اور مرقن غذاؤں کو جلد
ہضم کرنے میں مدد دیتا ہے۔ آدرا پھارہ کو دور کرتا ہے۔
آج ہی پینول استعمال کیجیے اور پینول جانیے کہ کبھی آپ کو ہضمی
کٹکاتیں ہوتی تھیں۔

پینول • دھسی • کانپور • پٹنہ

عظیم محدث و اعظا
وہیم محمدت و اعظا
جس کے ہاتھ پر ہیں ہزار بیہود
نصاری نے اسلام قبول کیا اور
ایک لاکھ سے زیادہ آدمیوں نے
توہ کی یعنی علامہ ابن الجوزی۔

لطائف علیہ
ترجمہ اردو
کتاب الازکیاء

آٹھ سو سال پہلے
کی ایک عظیم تالیف جو ذکاوت
فراست سے بھرپور تاریخی حالات
واقعات اور لطائف حکایات پر
مستعمل ہے، قابل دید ہے۔

مؤلفہ: شہرہ آفاق محدث و فقیہہ اویب خطیب علامہ ابن الجوزی بغدادی

اس کتاب کے مصنف جینی صدی ہجری کے طویل القدر محدث و فقیہ علامہ امام ابن الجوزی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جن کے بلند علمی مقام اور تبحر و نفاذ سے وہ جینی علمی طبقے بخوبی واقف ہیں۔ آپ کے تعارف میں عوام کو اتنا ہی بتانا کافی ہوگا کہ آپ کے ہاتھ پر ہیں ہزار بیہود و نصاری نے اسلام قبول کیا اور ایک لاکھ سے زیادہ آدمیوں نے توہ کی۔ حدیث سے متعلق آپ کے حسن تعلق اور شغف کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ جن قلموں سے آپ احادیث لکھتے تھے ان کے تراشے محفوظ رکھتے تھے۔ آپ دھرت فرمایا کہ میرے مثل ریت کا پائی ان ہی تراشوں سے گرم کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور تراشوں کا ایک ذخیرہ بھر بھی باقی بچ گیا۔ ایسے عالی مقام مصنف کی تصانیف جس قدر اعلیٰ و ارفع ہو سکتی ہیں ظاہر ہے مختلف علوم میں آپ بھی تین سو چالیس تصانیف ہیں جلدات کی کل تعداد دو ہزار ہے۔

اس کتاب میں

سات سو ایسے قصص و لطائف مذکور ہیں جس میں ہر ایک ذکاوت یا حاضر جوابی یا حکمت سی یا دانشمندانہ مزاح یا ایسے کسی کارنامہ عقل و فراست کا آئینہ دار ہے۔ یہ کتاب تین تین ایوب پر مشتمل ہے جن میں عقل و فراست کے فضائل و مناقب اور فہم و ذکاوت کی علامات کے علاوہ انبیاء، صحابہ، علماء و مشائخ، فقہاء و ارباب عباد و زہاد، رؤسا و غریبا، عوام و خواص غرض سب ہی سے متعلق دلچسپ قصص ہیں۔ بادشاہوں، وزیروں، بیوروں، حتیٰ کہ چوپایوں تک کی ذکاوت کے حالات دلپذیر انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔ اصل کتاب عربی میں تھی اور عبارات نہایت دقیق تھیں۔ فاضل مترجم حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب استاد دارالعلوم دیوبند نے بڑی محنت و دہانت سے اس کو اردو لٹریچر میں لایا اور وہاں اس پر پتہ پایا بلکہ ہر جگہ مفید اضافے بھی کئے۔ بات کو سمجھنے کے لئے عربی محاوروں کی توضیح اور تاریخی واقعات کی ضروری وضاحت کے علاوہ جہاں اختصار کے باعث مطلب سمجھنا مشکل تھا وہاں عبارت بڑھادی گئی۔ جن حکایتوں میں کوئی خاص نکتہ ذرا چھپا ہوا تھا تو میں اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا وغیرہ وغیرہ۔ غرض افادیت کے کسی پہلو کو تشہ نہ پس چھوڑا گیا۔ حضرت مولانا فاری محمد صاحب نے ہم پر دارالعلوم دیوبند نے اس کا پیش لفظ تحریر فرمایا ہے۔ ہم ناظرین سے اس کتاب کے مطالعہ کی پرزور اپیل کرتے ہیں۔

ضخامت :- چار سو اسی صفحات۔ قیمت :- جلد مع خوشنما گرد پوش صرف پانچ روپے (حصہ ۱)

ہر قسم کی عربی فارسی اردو کتب نیز قاعدے پائے
قرآن مجید حاکمیں معری و مترجم ارزاں لئے کا پستہ

بکستہ تجلی دیوبند ضلع سہارنپور۔ یو پی۔ انڈیا